قیمت خصوصی ضمیمہ آٹھ روپے

اخبار کے ساتھ دس روپے

خصوصی ضمیمہ

انٹرنیشنل
ملی ٹائمز
نئی دہلی
اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ



عمران اور جمیمہ کی شادی پر

ساری دنیا میں تہلکہ کیوں مچ گیا؟

مغرب میں قبول اسلام

کے واقعات پر اتنا ھنگامہ کیوں؟

لندن اور پیرس سے ملی ٹائمز کے

نمائندوں کی رپورٹوں پر مشتمل

اسلام

اور

مغرب

کے تعلقات پر خصوصی تحریریں

گھر کے ہر فرد کے لئے ملی ٹائمز کا

خصوصی تحفہ

WIN US$ 1000

ملی ٹائمز انٹرنیشنل کی جانب سے

بین الاقوامی تحریری مقابلہ

جس میں 22 سال سے کم عمر کے طلباء وطالبات حصہ لے سکتے ہیں

عنوان برائے طلبہ: عصر حاضر میں غلبہ اسلام کے امکانات اور اس مہم میں نوجوانوں کا مجوزہ رول

عنوان برائے طالبات: غلبہ اسلام کی مہم میں مسلم خواتین کی شرکت کیوں اور کیسے؟

ضروری ہدایت:

(1) اس مقابلے میں شرکت کے لئے 15 اگست 1995 تک 22 سال سے کم عمر کا ہونا ضروری ہے
(2) مقابلے کی زبان انگریزی اور اردو ہوگی
(3) مضمون کاغذ کے ایک طرف A4 سائز کے کاغذ پر لکھا جانا چاہیے
(4) مضمون وصولیابی کی آخری تاریخ 15 اگست 1995 ہے بعد میں آنے والی تحریریں مقابلے میں شامل نہیں کی جائیں گی۔
(5) کامیاب امیدواروں کو انعامات کے علاوہ سند بھی دی جائے گی

انعامات:

انٹرنیشنل پرائز 1000 امریکی ڈالر (مساوی 32000 روپے)
پہلا انعام 3000 روپے، دوسرا انعام 2000 روپے
تیسرا انعام ایک ہزار روپے۔ اس کے علاوہ بہت سے ترغیبی انعامات

نوٹ: مضامین ارسال کرتے وقت لفافے پر یہ ضرور لکھیں "برائے تحریری مقابلہ"

Milli Times International
49 Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar New Delhi - 110025

اداریہ

ہمارے بعض قارئین کو شاید اس بات پر حیرت ہو کہ ملی ٹائمز جیسا وقیع اور محترم بین الاقوامی اخبار عمران اور جمیمہ کی شادی کے مسئلہ پر خصوصی ضمیمہ شائع کر رہا ہے یقیناً کسی شخص کی شادی خواہ وہ کوئی عوامی شخصیت ہی کیوں نہ ہو اس کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے جس کو موضوع بحث بنا کر گپ شپ کی اجازت کسی کو نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ عمران خان کی شادی پر مشرق اور مغرب میں جس طرح اسلام کے مختلف گوشوں پر بحث کا آغاز ہوا ہے وہ ہم سب کی توجہ کا مستحق ہے۔ لندن کی ایک دولتمند لڑکی سے جسے زندگی کی ساری مسرت حاصل تھی عمران کی شادی نے مغربی حلقوں میں ایک بار پھر یہ سوال شدت سے اٹھا دیا ہے کہ آخر مغرب کی عورتیں اسلام میں اتنی کشش کیوں محسوس کرتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مغرب میں جس طرح عورتیں مسلسل اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہیں اور اپنے معاشرے سے کٹ کر مشرقی معاشرے میں پناہ لینے کی خواہشمند نظر آتی ہیں اس پر صرف مغرب کے والدین ہی پریشان نہیں بلکہ ان کے دانشوروں کو بھی ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ شاید ان کی تہذیب کا تار و پود ٹوٹ پھوٹ کر بکھرتا جا رہا ہے۔

اس خصوصی ضمیمے میں ہم نے اس بات کی ایک حقیر سی کوشش کی ہے کہ آپ کے سامنے مغرب کی وہ صورت حال پیش کر سکیں جس میں اسلام روز افزوں ایک قوت کی حیثیت سے ابھر رہا ہے۔ الحمد للہ کہ اب مغرب اذانوں کی روح پرور صداؤں سے خالی نہیں اور اس کے عین قلب میں بے شمار مسلمان اپنی اسلامی شناخت کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ تاریخ کا پہلا واقعہ ہے جب یوروپ اور امریکہ میں مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی موجود ہے اور اس طرح ان کے ربط و ضبط سے اللہ کے غافل بندوں تک دین کا پیغام پہنچنے کی سبیل پیدا ہو گئی۔ مغرب کی ڈوبتی تہذیب اور سوشلزم کے زوال کے بعد اب اسلام میں دنیا کی آخری امید پیدا ہو گئی۔ جو لوگ رقص و سرود اور رنگ و نور کی دنیا کا مزہ لے چکے ہیں وہ اب ایک روحانی سکون کی تلاش میں جوق در جوق اسلام کی طرف کھنچے آتے ہیں۔ مغرب کے معاشرے میں چونکہ عورتوں پر انتہا درجے کا ظلم روا رکھا گیا ہے اس لئے قبول اسلام کے واقعات میں عورتوں کی تعداد نمایاں حد تک زیادہ ہے۔ گویا جمیمہ ایک علامت ہے مغرب سے اسلام کی طرف سفر کرنے والی ان بے شمار پریشان حال مغربی بہنوں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ آج مغرب میں اسلام ان جیسی سکون کی متلاشیوں کی کمی نہیں۔

ملی ٹائمز کے اس خصوصی ضمیمے میں ہمیں پیرس اور لندن میں مقیم اپنے نمائندوں سے خاص مدد ملی ہے گو کہ بعض تحریریں ہم صفحات کی تنگی کی وجہ سے اس ضمیمے میں شائع نہیں کر سکے ہیں جس کا ہمیں افسوس ہے۔ امید ہے آئندہ ہمارے ضمیمے زیادہ ضخیم ہوں گے تاکہ ہمارے نمائندوں کی تحریریں شائع ہونے سے نہ رہ جائیں۔

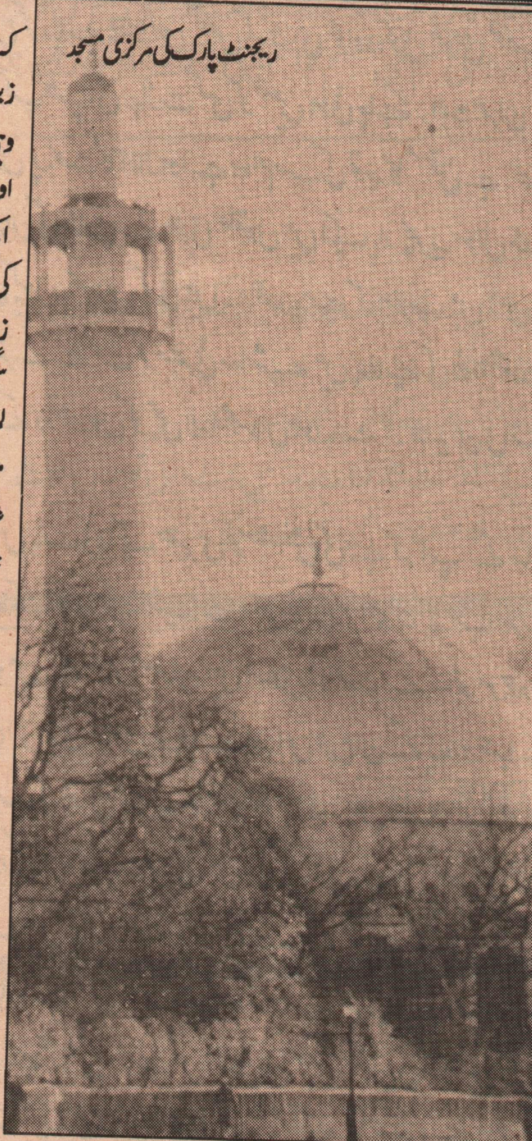
مغرب پریشان ہے کہ اتنا بہت سا اسلام اچانک کہاں سے آگیا ہے؟

ساری دنیا میں اسلام آج بحث کا موضوع کیوں بنا ہے؟

لندن کے وائٹ چیپل کے علاقے میں سرخ رنگ کی ایک پرشکوہ مسجد ہر خاص و عام کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے۔ یہاں پہنچ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے گویا آپ مسلم دنیا کے کسی علاقے میں آگئے ہوں۔ گول ٹوپی پہنے، اجلے کالے گندمی رنگ کے مسلمان عورتیں، مرد، بچے بوڑھے مسجد کے مختلف دروازوں سے باہر آرہے ہیں۔ گویا ابھی جماعت ختم ہوئی ہے۔ اب یہ لوگ اردگرد کے علاقوں میں اپنے اپنے کاموں میں منہمک ہوجائیں گے۔ لیکن وائٹ چیپل کی مسجد میں کچھ اور بھی سرگرمیاں ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک طرف کتابوں کی چھوٹی سی دوکان ہے جہاں مختلف زبانوں میں اسلام پر کتابیں دستیاب ہیں۔ ہر قسم کی جائے نماز اور ٹوپی بھی آپ یہاں سے خرید سکتے ہیں۔ وسیع برآمدے میں لوگ ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔ نوجوانوں کے چہروں پر بلاکی تازگی اور مسرت کا احساس نمایاں ہے۔ دوسری طرف مسجد کا دفتر ہے جہاں ہر وقت دس بیس لوگ مختلف قسم کے مسائل کو حل کرنے میں لگے ہیں۔ آئیے ذرا نیچے تہہ خانے میں چلتے ہیں۔ یہاں دوسری دنیا آباد ہے۔ نوعمر بچے بچیاں کھیل کود میں مصروف ہیں دوسری طرف عورتوں اور مردوں پر مشتمل کوئی پروگرام چل رہا ہے۔ بچے یہاں بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ لیکن یہ مقررین کو سننے کے بجائے اچھل کود میں زیادہ مصروف ہیں۔ دو ہم عمر بچے سروں پر عمامہ باندھے جینس اور ٹی شرٹ میں ملبوس اپنے لئے کافی تیار کر رہے ہیں۔ قریب جاکر پوچھئے کہ بھائی یہ تم نے سر پر کیا باندھا ہوا ہے اس کا جواب ہوگا کیا آپ نہیں جانتے؟ یہ عمامہ ہے۔ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کا جواب ہوگا واللہ تم بھی کتنے نادان ہو یہ ہمارے رسول کی سنت ہے۔ آپ اس سے پوچھیں گے آخر تمہاری طرح کتنے لوگ عمامہ باندھتے ہوں گے۔ وہ کہتا ہے واللہ دنیا بھر میں بہت زیادہ۔ ان کی تعداد لاکھوں میں ہوگی۔ یہ انگریز نژاد بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ابھی چند ماہ قبل اسلام میں داخل ہوا ہے۔ اسلام کی عظیم دولت اسے بہت جدوجہد کے بعد ملی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے رسول کی کسی بھی سنت کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہیں۔ بلا کا اعتماد ہے ان انگریز نژاد بچے بچیوں میں جو اپنے اسلامی لباس پر فخر کرتے اور ہر طرح مسلمان دکھائی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

مغرب کے دانشور حیرت زدہ ہیں کہ خود ان کی سرزمین میں اسلام کے لئے اتنی زبردست کشش کیوں کر بڑھتی جارہی ہے وہی اسلام جسے ان کا ذرائع ابلاغ دقیانوسیت اور فرسودہ اقدار کا مذہب بتاتا ہے۔ ادھیڑ عمر کے ایک صاحب جن کے کیسٹ آج بھی یوروپ کی نئی نسل میں خاصے مقبول ہیں اور جو اپنے زمانے میں یوروپ کے معروف ترین پوپ سنگر رہ چکے ہیں اب اسلام قبول کرنے کے بعد لمبا عربی کرتا زیب تن کرتے اور ہمیشہ عمامے میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ لمبی داڑھی، اسلامی شعائر کی پابندی اور مغرب کی بے راہ رو تہذیب کے خلاف موثر خطبہ دینے کے لئے وہ اب خاصے معروف ہیں۔ کیٹ اسٹیونس کے نام سے جانا جانے والا یہ شخص آج شیخ یوسف اسلام ہے جس نے اپنی ساری توانائی اور دولت اسلام کی اشاعت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔

آئیے ہم آپ کو لندن یونیورسٹی کے عالمی شہرت یافتہ ادارے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز میں لے چلتے ہیں۔ جی ہاں یہ وہی ادارہ ہے جسے مستشرقین کے حوالے سے بڑی شہرت ملی لیکن اب یہاں کا منظر نامہ بدل چکا ہے۔ سیاہ عمامہ، گول ٹوپیاں، باحیا اسکارف، حتیٰ کہ روایتی طرز کے برقعوں کی چلت پھرت بھی یہاں عام ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آپ مسلم دنیا کی کسی دانش گاہ میں آگئے ہوں۔ ان نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی پرورش اسی مغرب میں ہوئی ہے۔ ان لوگوں نے ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں پردے کا کوئی تصور نہ تھا، عمامہ باندھنا تو

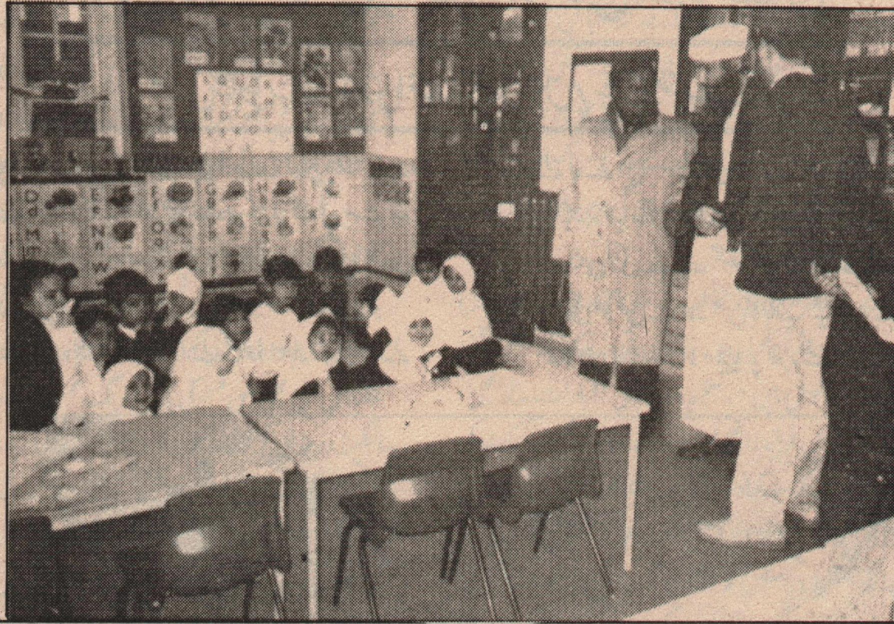


ریجنٹ پارک کی مرکزی مسجد

بہت دور کی بات تھی لیکن اس نئی نسل نے اسلام کو خود ہی دریافت کیا ہے اور اب مغرب کے عین قلب میں اس پر کچھ اس طرح عمل پیرا ہیں کہ کفار و مشرکین کے سینوں پر سانپ لوٹتا ہے ۔ مغرب کے دانشور اور یونیورسٹی کے اساتذہ حیران ہیں کہ آخر کل تک ہماری تہذیب میں غوطہ زن ہوجانے والی نسل آج اچانک اتنی زیادہ Fundamentalist اور روایت پسند کیوں ہوتی جارہی ہے۔

کچھ یہی حال ہائیڈ پارک کے اس حصے کا ہے جہاں مقررین اپنے خطاب کی جولانیاں دکھاتے ہیں۔ لیجئے ایک شخص عیسائیت کی تبلیغ کر رہا ہے ۔ سامعین نے اس پر سوالوں کی بوچھار کر رکھی ہے ۔ اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ۔ مدت ہوئی پارک کے مشرقی گوشے میں ایک شخص سوشلزم کی تبلیغ کے لئے آتا تھا لیکن سوویت یونین کے زوال کے بعد اب اس نے آنا بند کردیا ہے ۔ ادھر قریب ہی ایک سیاہ فام سفید نسل پرستی کے خلاف تقریر کر رہا ہے لیکن ان سب کے پاس سامعین کی تعداد انتہائی مختصر ہے ۔ ہاں ادھر پارک کے عین قلب میں ایک سیاہ فام مقرر قرآن مجید ہاتھ میں لے کر بار بار لہراتا ہے اور پھر مغرب کی بے چینی کے حل کے لئے خدائی نسخہ کیمیا پیش کر رہا ہے ۔ اس کے اردگرد سامعین کا ہجوم ہے ۔ اسلام پر گفتگو کرنے والا یہ واحد مقرر نہیں اب تقریباً پچاس فیصد مقررین یہاں اسلام ہی پر گفتگو کرتے ہیں ۔ لیجئے وہ عصر کا وقت ہوا اور ایک سفید فام انگریز نے اذان پکاری۔ ہائیڈ پارک کے سبزہ زار پر نماز عصر کی ادائیگی کا منظر بھی عجیب روح پرور ہے ۔ مغرب پریشان ہے کہ خود اس کے ملک میں اتنا بہت سا اسلام اچانک کہاں سے آگیا ہے۔

بی بی سی ٹیلی ویژن پر اسلام پر گفتگو کے لئے ایک شامی خاتون رعنا کبانی کو دعوت دی جاتی ہے ۔ رعنا بظاہر مختصر اسکرٹ اور لہراتی زلف کے ساتھ اسکرین پر آتی ہیں لیکن اسلام اور مسلمانوں کا مقدمہ پیش کرنے میں مغرب میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ رشدی کے مسئلے کے بعد پہلی بار ہمیں یہ محسوس ہوا کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوئی ذمہ داری ہے ۔ لیکن تب تک میں خود ہی اسلامی ثقافت سے خاصی دور جاچکی تھی ۔ رشدی مخالف تحریک نے ہمیں دوبارہ اسلام سے جذباتی طور پر جوڑ دیا۔ رعنا نے کیمبرج یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں پی ایچ ڈی کی ہے ۔ ان کا مقالہ اسلام کی حمایت میں مغربی پروپیگنڈہ کی سخت تنقید پر مشتمل ہے ۔ وہ کہتی ہیں کہ مغرب کے نام نہاد کھلے ذہن کے لوگوں نے ہماری پی ایچ ڈی کو تین سال تک روکے رکھا یہ لوگ انتہائی تنگ نظر ہیں ۔ یہ اپنے خلاف کچھ بھی نہیں سن سکتے ۔ رعنا جیسی بے شمار خواتین کو جو کبھی اسلامی معاشرے سے کٹ کر مغربی معاشرے میں جذب ہوگئی تھیں رشدی مخالف تحریک نے دوبارہ انہیں اسلام کی گود میں ڈال دیا ہے ۔ اب مسئلہ بوسنیا کا ہو یا یوروپ کے مکر و فریب کے کسی بھی پہلو کو عام کرنا ہو، رعنا جیسی دانشورہ جب اسلام کی حمایت میں گفتگو شروع کرتی ہیں تو مغرب کے بڑے بڑے مفکرین بغلیں جھانکنے لگتے ہیں ۔



لندن میں یوسف اسلام کا اسلامی اسکول: تصویر میں یوسف اسلام اور ڈاکٹر مانع الجہنی ۔

مغرب کی عیسائی دنیا اس بات سے بھی خوفزدہ ہے کہ ان کے معاشرے میں عیسائیت کے اثرات معدوم ہوچکے ہیں ۔ چرچ کی عمارتیں نائٹ کلب میں تبدیل ہورہی ہیں یا مسلمان مسجدوں کے لئے خرید رہے ہیں ۔ آج مغربی یوروپ میں کوئی 80 لاکھ مسلمان آباد ہیں اور کچھ اتنی ہی تعداد شمالی امریکہ میں بھی ہے ۔ مسلمانوں کی نئی نسل اب اپنے اسلامی ماضی پر شرمندہ نہیں بلکہ فخر کرتی ہے ۔ اور اس طرح خود مغرب کے اندر مسلمانوں کی موجودگی نے اسلام کی اشاعت اور اس سے تعارف حاصل کرنے کا ایک ایسا سلسلہ شروع کردیا ہے جس پر بند باندھنا ان کے لئے ممکن نہیں رہا ۔ یہ صحیح ہے کہ ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے لیکن عملی طور پر جب لوگ مسلمانوں کے براہ راست ربط میں آتے ہیں اور ان کا سابقہ ایک پرسکون مسلم معاشرتی زندگی سے پڑتا ہے تو وہ اسلام کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے خواہشمند ہوجاتے ہیں جو بالآخر انہیں قبول اسلام تک لے آتا ہے ۔

ایک زمانہ تھا جب تیسری دنیا میں مغربی اقدار کا بول بالا تھا ۔ ہمارے

یہاں ہر تعلیم یافتہ شخص مغربی لباس میں ملبوس ہوتا اور سخت ترین گرمی میں بھی اس کی گردنوں سے ٹائی جھولتی ہوتی۔ اس بے چارے کو اس کا احساس بھی نہیں تھا کہ یہ لباس یوروپ کے ٹھنڈے علاقے کے لئے ڈیزائن کیا گیا ہے اور بھلا کسی لباس سے کسی کی عقل میں کیسے اضافہ ہوسکتا ہے۔ دانشور پائپ پیتے اور خدا بے زاری کی باتیں کرتے، مغرب لوگوں کے ذہن پر کچھ اس طرح چھایا تھا کہ اس کی ایک ایک ادا کی پیروی کو ترقی کا زینہ سمجھ لیا گیا تھا۔ ایک مصری دانشور نے ایک زمانے میں یہاں تک کہا تھا کہ مسلم دنیا کو اگر ترقی کرنا ہے تو ہمارے یہاں مردوں کو داڑھی مونڈنی ہوگی کہ مغرب داڑھی مونڈ کر بہت ترقی کرگیا ہے۔ لیکن اب لوگ اس قسم کے خیالات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مغربی اقدار اور فیشن نے رفتہ رفتہ اپنی قدر اس حد تک کھودی کہ آج یوروپ میں تیزی سے مقبول ہوتا ہوا فیشن عورتوں کا مشرقی طرز کا لباس ہے جو بڑے پیمانے پر مہنگے داموں میں یوروپ اور امریکہ کے بازاروں میں فروخت ہوتا ہے۔

"عمران اور جمیمہ میں بہت جلد طلاق ہو جائے گی"

عمران اور جمیمہ کی شادی سے برطانوی اخبارات کی نسل پرستانہ ذہنیت بے نقاب

عمران کی جمیمہ گولڈ اسمتھ سے شادی کی خبر کی اشاعت کے فوراً بعد سے برطانوی پریس خصوصاً وہ اخبارات جنہیں ٹیبلوئڈ کہتے ہیں، پاکستان و اسلام کے خلاف اپنی خبیث نسل پرستانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرنے پر اتر آئے۔ ٹیبلوئڈ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ شادی بہت جلد ٹوٹ جائے گی۔ اس بہانے سے انہوں نے اہل پاکستان اور ان کی اسلامی تہذیب کے خلاف بھی خوب کیچڑ اچھالا ہے۔

برطانیہ میں سب سے زیادہ شائع ہونے والے ٹیبلوئڈ اخبار دی سن نے جمیمہ یا حائقہ خان کی ایک تصویر شائع کرکے جس میں وہ مختصر کپڑوں میں ملبوس اور ہاتھ میں شراب کا جام تھامے ہوئے دکھائی گئی ہیں۔ اس کے نیچے یہ لکھا ہے: "پچاس کوڑے، اگر تم پاکستان میں ایسا کروگی مسز خان"۔ ایک دوسرے ٹیبلوئڈ نے حائقہ کی ایک تصویر شائع کی جس پر شادی کا اسلامی لباس تکنیک سے زیب تن کردیا گیا ہے اور اس تصویر کے نیچے سرخی لگائی ہے: "مراعات سے پردے کی طرف"۔ ایک دوسرے ٹیبلوئڈ اخبار ڈیلی میرر نے حائقہ کی دو تصویریں شائع کی ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک خوبصورت برطانوی مینشن اور لاہور کے ایک بازار کی تصویر بھی شائع کی ہے۔ اور پھر یہ سوال کیا ہے "کیا جمیمہ اپنے سسرال لاہور کو دیکھنے کے لئے روانہ ہوچکی ہے"۔



برطانوی اخبارات میں شائع ہونے والے اداریوں میں بھی بس ایک ہی بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے یعنی یہ کہ عمران اور حائقہ کے طرز زندگی، مذہب اور کلچر میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ان کے خیال میں بیالیس سالہ عمران ایک بندوق بردار مسلم بنیاد پرست ہے جس کے آبائی شہر لاہور میں زناکاروں کو سنگسار کردیا جاتا ہے۔ چوروں کے ہاتھ کاٹ لئے جاتے ہیں، جہاں کوئی شراب نہیں پیتا اور عورتوں کو شلوار قمیص میں اس طرح باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ بمشکل سانس لے پاتی ہیں۔ اس کے برعکس جمیمہ ایک ایسی لڑکی ہے جسے مختصر لباسوں کا شوق ہے، جو نائٹ کلب کی دلدادہ اور شراب کی شوقین ہے اور جس کا باپ ایک ارب پتی عشق باز ہے۔

برطانوی اخبارات و میڈیا پر نظر رکھنے والے دانشوروں کا خیال ہے کہ برطانوی مدیران اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ان کے قارئین کی بڑی تعداد ایشیائی نسل کے لوگوں پر اعتماد نہیں کرتی۔ چنانچہ انہیں جب بھی کوئی موقع ملتا ہے تو وہ ان کے خلاف نسل پرستانہ لطائف کی اشاعت سے اپنی اور اپنے قارئین کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ لوگوں کو یاد ہوگا کہ چند ماہ قبل ایک ہند نژاد مسلمان نے لاٹری میں 17 ملین پاؤنڈ سے زیادہ کی رقم جیتی تھی جس پر دی سن نے مذاق اڑاتے ہوئے یہ تبصرہ کیا تھا کہ: "ایک اچھی چپاتی"۔ ایسے نسل پرستانہ ریمارکس دراصل برطانوی صحافت کے گھٹیا معیار کے علاوہ ان کی گندی نسل پرستانہ ذہنیت کے بھی آئینہ دار ہیں۔

اپنی اسی گندی نسل پرستانہ ذہنیت کا اظہار کرتے ہوئے ٹوڈے نے حائقہ کے گھوڑ سواری کے شوق کے تعلق سے اسلام کا یوں مذاق اڑایا ہے "گھوڑ سواری کرتے وقت اب Tally_ho کہنے کے بجائے تم اللہ اکبر کہہ سکتی ہو"۔ دی سن بھی پیچھے نہیں رہا۔ اس نے حائقہ کی خوبصورتی کی تعریف کرتے

ہوئے ایک حاسدانہ اداریے میں لکھا کہ جلد ہی اسے ایک چادر کے اندر چھپا دیا جائے گا۔ "یہ عمران کے لئے تو خوشخبری ہو سکتی ہے لیکن ہم سب کے لئے افسوسناک ہے"۔

خود جائمہ کے والد گولڈ اسمتھ کا بھی ایک طنزیہ اخبار ہے جس کا نام پرائیوٹ آئی ہے۔ اس نے عمران اور جائمہ کی شادی پر کوئی مضمون تو نہیں لکھا البتہ ایک طنزیہ لطیفہ ضرور شائع کیا ہے جس سے اسلامی تہذیب کے خلاف برطانوی نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لطیفے کی سرخی ہے

Imran- Goldsmith Wedding Shock

اور پھر یہ لطیفہ تحریر کیا ہے۔ عمران گولڈ اسمتھ سے کہتا ہے کہ "کیا میں آپ کی بیٹی کا ہاتھ مانگ سکتا ہوں؟" (یہ انگریزی محاورہ ہے اور شادی سے متعلق حسن طلب کا بہترین اظہار ہے) اس سوال کے جواب میں گولڈ اسمتھ کہتے ہیں۔ "کیوں؟ کیا اس نے دوکان سے کچھ "چرایا ہے"۔ مطلب صاف ہے۔ یہ "پاکستان میں چور کے ہاتھ کاٹ لینے کی طرف "اشارہ ہے اور اس سے عمران کی نام نہاد" بنیاد پرستی "کی طرف بھی انگشت نمائی کی گئی ہے۔

لیکن اخبارات کے علاوہ عمران اور جائمہ کے اہل خاندان اور دوستوں نے اس شادی کا کھلے دل سے استقبال کیا ہے۔ جائمہ کی ماں نے کہا کہ "ہم واقعی شادماں ہیں۔ ہم سبھی بے انتہا خوش ہیں"۔ سنجیدہ برطانوی اخبارات نے بھی، دونوں تہذیبوں کا سلجھے انداز میں فرق واضح کرنے کے ساتھ بالعموم کرکٹ کی زبان میں نئے شادی شدہ جوڑے کو مبارکباد دی ہے۔ مثلاً گارجین کی ایک سرخی تھی Good Catch Jemima یعنی جمیمہ تم نے اچھا کیچ پکڑا ہے۔

جمیمہ اور عمران کے انگریز دوستوں کا کہنا ہے کہ یہ شادی کامیاب رہے گی۔ جائمہ کی تقریباً تمام ہی دوست لڑکیوں کا کہنا ہے کہ "وہ بہت ہی خاکسار، سخی اور سو فیصد عمران کے لئے مناسب ہے"۔ عمران کی ایک قریبی خاتون دوست نے اس شادی پر یوں تبصرہ کیا ہے۔ "دونوں کی عمروں میں زبردست فرق فائدہ مند ثابت ہوگا۔ جب آپ کسی سے محبت کرتے ہیں تو ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اتنی نوخیز ہوتے ہوئے جائمہ عمران کے ساتھ پاکستان جا سکتی ہے۔ عمران نے ایک اچھی، حساس اور خوبصورت مغربی لڑکی حاصل کرلی ہے۔ وہ اب اسی کے راستے پر گامزن ہے"۔

برطانوی و مغربی میڈیا پر ناقدانہ نظر رکھنے والوں نے اخبارات کی واضح نسل پرستی کی توجیہ کرتے ہوئے بہت سی باتوں میں یہ بات بھی کہی ہے کہ عمران کی بعض حالیہ مغرب مخالف تقریریں اس کا سبب ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ اخبارات کو مکمل طور پر تاریکی میں رکھ کر خاموشی سے یہ شادی 16 مئی کو پیرس میں ہوگئی اس لئے وہ نظرانداز کردیے جانے پر ناراض ہیں اور نسل پرستانہ ریمارکس کے ذریعہ اپنی بھڑاس نکال رہے ہیں۔

مگر غالباً سب سے اچھی توجیہ کسی نے یوں کی ہے کہ اہل برطانیہ ابھی عمران کے اس اقبال جرم کو بھولے نہیں تھے کہ اس نے کم از کم ایک بار کرکٹ بال کے ساتھ چھیڑخانی کی تھی اب اس نے ان کے سماج کی ایک امیر ترین اور نہایت خوبصورت لڑکی کو کلین بولڈ کردیا۔ حسد سے جلے ہوئے برطانوی صحافی غالباً اس میں بھی کسی قسم کی بال ٹمپرنگ محسوس کر رہے ہیں۔ ادھر کچھ سالوں سے انگلینڈ دوسری کرکٹ ٹیموں کو دھوکے باز کہتا رہا ہے۔ غالباً اب ان کے پاس کرکٹ کے میدان پر اپنی ناکامیوں کی توجیہ کے لئے دوسروں پر الزام تراشی کے علاوہ کچھ بچا نہیں ہے۔ جائمہ کے معاملے میں عمران پر فال پلے کا الزام لگا کر دراصل اہل برطانیہ اپنے احساس ناکامی کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔



شادی کے بعد عمران خان اپنی بیوی اور ساس سسر کے ساتھ

یوروپ میں ہر پانچ اسلام قبول کرنے والوں میں چار عورتیں ہوتی ہیں

مغرب کی حسینائیں اسلام قبول کرنے کے لئے بے چین کیوں؟

دنیا بھر میں اسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈے کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ اسلام ہر جگہ ایک زبردست روحانی قوت کے طور پر اپنے آپ کو منوا رہا ہے۔ یوروپ اور امریکہ میں اخبارات اور ٹیلی ویژن آئے دن اسلام کو عورت مخالف مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں۔ عام یوروپی کے ذہن میں مسلم عورت کا تصور ایک ایسی ملفوف مخلوق ہے جو مردوں کے زیر ستم تاریک کوٹھریوں میں بند کردی گئی ہے۔ کوئی دن ایسا شاید گزرتا ہو جب مغرب کے ذرائع ابلاغ، تھیٹر اور فلمیں، اخبارات اور رسائل مسلم عورت کے خلاف روا رکھے جانے والے مفروضہ مظالم کی کہانی نہ سناتے ہوں۔ پھر مغرب کے نام نہاد دانشور اسلام کے بارے میں اپنی نام نہاد علمی تصنیفات میں مسلم معاشرے میں عورت کو ایک مقہور و مجبور مخلوق کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک پوری مسلم دنیا میں عورتوں پر سخت ظلم ہو رہا ہے۔

لیکن یہ بھی عجیب امر ہے کہ زبردست مخالفانہ پروپیگنڈے کے باوجود آج یوروپ میں ہر پانچ اسلام قبول کرنے والوں میں چار عورتیں ہوتی ہیں۔ ان نومسلمات میں ہر عمر کی عورتیں شامل ہوتی ہیں۔ آپ مشرقی لندن کی کسی مسجد میں دو چار دن قیام کر لیجئے ہر دن کوئی نہ کوئی شخص خود کو مسلمان کہلانے کا شائق کچھ اس بے تابی کے ساتھ مسجد میں وارد ہوگا کہ مومنین کی جماعت میں شامل ہونے میں وہ اب ایک لحہ بھی دیر نہیں کرسکتا۔ لیکن ان میں عورتوں کی تعداد ہر جگہ زیادہ ہوگی جو کھلی ٹانگوں لیکن ڈھکے سر کے ساتھ مسجد میں کچھ اس انداز سے داخل ہوتی ہیں گویا انہوں نے کوئی اسلامی لباس زیب تن کیا ہوا ہو۔ ان میں سے بیشتر کا تصور اسلامی اسکارف کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جی ہاں! وہی اسکارف جسے مغرب عورتوں پر مظالم کی علامت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

بات یہ ہے کہ آزادی نسواں کی تحریک کے پردے میں مغرب میں عورتوں پر جس قدر ظلم ہوا ہے اس کا کسی قدر احساس اب عام ہوتا جارہا ہے۔ بظاہر پرکشش لباس زیب تن کئے، ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے، مردوں کے دوش بدوش چلتی ہوئی مغرب کی آزاد عورت اندر سے انتہائی پریشان ہے۔ عورتوں کو مردوں کے برابر حق دینے کا دعوی کرنے والی تہذیب میں آج بھی عورتوں کی تنخواہ مردوں کی تنخواہ سے کم ہوتی ہے۔ یہ کسی ایک ملک کا حصہ نہیں یوروپ و امریکہ کی مشترکہ کہانی ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے کہ کسی عہدے پر مرد کام کرے تو اس کی تنخواہ زیادہ اور اتنی ہی ذمہ داریاں کوئی عورت ادا کرے تو اس کی تنخواہ کم۔ پھر عورتوں کو سارے مواقع عمر بھر حاصل نہیں ہوتے۔ مغرب میں عورتوں کو یہ شکایت عام ہے کہ عالم شباب میں انہیں بہ آسانی ملازمت مل جاتی ہے جب تک وہ جسمانی طور پر اپنی کشش برقرار رکھ پاتی ہیں سیلز گرل سے لے کر ایر ہوسٹس تک ہر جگہ ان کے لئے وافر امکانات ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں حسن ڈھلا اور شباب رخصت ہوا ان کی ملازمت ختم ہوجاتی ہے۔ گویا ہر جگہ دراصل ان کے حسن و شباب کا استحصال ہے۔



یہ ہے وہ خدائی نسخہ کیمیا جس کی تلاش میں مغربی دوشیزائیں سرگرداں ہیں

معاملہ صرف ملازمت کا نہیں بلکہ کچھ یہی کیفیت ان غم کی ماریوں پر زندگی کے ہر شعبے میں طاری رہتی ہے۔ بات ثقافتی پروگرام کی ہو، کلب یا حلقہ احباب کی ہو ہر جگہ عالم شباب کے دوست شباب ڈھلتے ہی ان کا ساتھ چھوڑنے لگتے ہیں۔ گویا دوستی کے پردے میں بے شمار دوستوں سے رابطہ رکھنے کی اجازت دینے والی تہذیب بنیادی طور پر عورت کا استحصال کرتی ہے۔ شادی کا تصور اور ایک گھر بسانے کا خیال مغرب میں اس خطرناک حد تک کم ہوگیا ہے کہ آج ایک قابل ذکر تعداد ان بچوں کی ہے جن کا تعلق Single Parent Family سے ہے یعنی عورتوں پر ظلم کی انتہا یہ ہے کہ مرد شوہر کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے انکاری ہے۔ اور بغیر نکاح میں آئی ہوئی خواتین سے پیدا ہونے والے بچوں کی ذمہ داری سے وہ خود کو غیر متعلق محسوس کرتا ہے۔ مغرب میں ایسے بچوں کو Love Child (محبت کے بچے) کا نام دیا جاتا ہے ایسا بھی نہیں کہ مرد ان بچوں سے جذباتی طور پر بالکل ہی غیر متعلق ہوتا ہے

مغرب کی نو مسلمات کے تاثرات

"ہمیں اب وہ روحانی خوشی مل گئی ہے جو مغربی تہذیب میں ناپید ہے"

یوروپ کی نئی حلقہ بگوش اسلام ہونے والی بیشتر خواتین قرآن شریف کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ "مغرب میں اسلام کی روشنی تیزی سے ابھر رہی ہے"

"نئے برطانوی مسلمانوں" کا اوسط دس ہزار سے بیس ہزار تک ہے۔ ان میں خواتین کی تعداد زیادہ ہے۔ امریکہ میں پانچ نو مسلموں میں سے چار خواتین ہوتی ہیں۔ مغربی خواتین حجاب پر اعتماد نہیں کرتیں وہ اسے خواتین کے ساتھ زیادتی اور "مسلم انتہا پسندی" کی علامت بتاتی ہیں۔ نومسلمات اعلی تعلیم یافتہ ہوتی ہیں۔ وہ میک اپ اور منی اسکرٹ کو خیرباد کہہ کر اپنے بچوں اور یونیورسٹی کی ڈگریوں کے ساتھ مسجدوں کی طرف کوچ کر رہی ہیں۔

38 سالہ نوریہ سابق پروٹسٹنٹ عیسائی ہیں۔ 1974ء میں ایک ردی کی نوکری میں انہیں قرآن شریف کی کچھ آیات ملیں جنھوں نے ان کی دنیا بدل دی اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں۔ ان کے مصری شوہر سے پانچ بچے ہیں اور وہ آزادی نسواں کے حامی ایک امریکی کیملے پیگلیا کے ساتھ خوشگوار شب و روز گزار چکی ہیں۔ ان کے پاس جنسی مطالعات کی ایک ڈگری بھی ہے۔ نوریہ کہتی ہیں کہ خواتین میرے اوپر اپنی جنس کے ساتھ غداری کرنے کا الزام عائد کرتی ہیں لیکن میں اس ملک کی بیشتر خواتین پر یہی الزام لگا سکتی ہوں۔ دراصل یہاں کی عورتیں خود خواتین پرست نہیں ہیں۔ لیکن مسلم خواتین خوش و خرم اور باعزت زندگی گزار رہی ہیں جو مغربی تہذیب میں عنقا ہے۔ ہم جنس پرستی اور اسقاط حمل کے علاوہ خواتین کے تمام حقوق ہمیں حاصل ہیں

چالیس سالہ بتول توما آئرش کیتھولک عیسائی تھیں انہوں نے سولہ سال قبل اسلام قبول کرلیا ہے اور لانسسٹر کے "اسلامک فاؤنڈیشن" میں خدمات انجام دے رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مغربی فیمنسٹ لوگ قبول اسلام کو تباہ کن قدم قرار دیتے ہیں۔ لیکن قبول اسلام کرنے والی خواتین مغربی سوسائٹی کی تباہ و بربادی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں اور خاندان کی اہمیت کا احیاء چاہتی ہیں

سویڈن کی 28 سالہ امریہ توفام نشیلی ادویات، شراب اور جنسی تعلقات کی عادی تھیں۔ لیکن انہوں نے 1993ء میں اسلام قبول کرلیا۔ وہ آرٹ کی طالبہ تھیں اور اپنی غلط عادات سے تنگ آکر خودکشی کا ارادہ کر رہی تھیں کہ اسی اثناء میں انہیں مراکش کے آرٹ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا جس کی بنا پر وہ اسلام سے قریب آتی گئیں اور 1993ء میں انہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہوکر ایک مسلمان سے شادی کرلی۔ ان کے شوہر کے پہلے سے پانچ بچے تھے جن کو انہوں نے اپنا لیا ہے اور اب خود ان کے تین بچے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اتنے بچوں کی موجودگی میں بھی انہیں بے پناہ آزادی حاصل ہے۔ وہ مزید کہتی ہیں کہ ہر شخص کہتا تھا کہ بچوں کی موجودگی سے مجھے پریشانی ہوگی لیکن میں اس کا الٹا دیکھ رہی ہوں۔ قبول اسلام میری زندگی کا ایک بہت اہم اور روایت سے ہٹ کر ایک بڑا فیصلہ تھا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اسلام کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ عورتوں کو گھر میں رہنے اور بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

۔ وہ خود کو ان بچوں کا باپ تو ضرور سمجھتا ہے البتہ ان کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری عورت کے سر ڈال کر کہیں اور بے راہ روی میں مصروف رہتا ہے۔ اور چونکہ قانونی طور پر وہ اس عورت کا شوہر نہیں ہوتا اس لئے عورت عدالت سے رجوع کرنے سے بھی قاصر ہوتی ہے۔ ممتا کی ماری بے چاری ماں دفتروں میں کام کرتی اور اپنے بچوں کی پرورش کے لئے محنت مزدوری کر کے خود ہی کچھ پیسے اکٹھے کرتی ہے۔ یہ ہے مغرب کی آزاد تحریک کا ایک رخ۔

مغرب کی عورت کو یہ بھی شکایت ہے کہ اس کے گھر کا سکون کھو گیا ہے۔ یہ تصور کہ مرد اور عورت مل کر ایک چھوٹا سا گھر بنائیں گے اور ننھے منے بچوں کی آوازوں سے ان کا چھوٹا سا گھر خوشی سے بھر جائے گا، اب مغرب میں معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ اول تو نوجوان جوڑے شادی کے جھنجھٹ میں پھنسنا نہیں چاہتے بلکہ شادی کے بغیر ہی ایک ساتھ رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ ایسا اس لئے بھی کہ شادی ایک قانونی جھنجھٹ ہے جس کے بندھن سے نکلنا کچھ آسان نہیں، پھر یہ کہ محض دوست کی حیثیت سے رہنے میں جب جی چاہے وہ اپنے دوست تبدیل کر سکتے ہیں۔ بالفرض محال اگر شادی ہو بھی گئی تو اس کا زیادہ دنوں تک چلنا ممکن نہیں ہوتا۔ لہذا علیحدگی کے بعد مرد تو اپنی راہ لے لیتا ہے لیکن عورت جس کا شباب ڈھل چکا ہے عام طور پر کوئی ہم سفر پانے میں ناکام رہتی ہے۔

مغربی عورتیں جب یوروپ میں موجود اپنے اردگرد بسے ہوئے مسلم خاندانوں کو دیکھتی ہیں تو انہیں سخت تعجب ہوتا ہے کہ یہ کس دنیا کے لوگ ہیں جو زندگی بھر شوہر بیوی کی حیثیت سے ایک ساتھ رہتے ہیں۔ گھر میں کبھی کبھی چھوٹے موٹے جھگڑے ضرور ہوتے ہیں، شوہر بیوی کے تعلقات کشیدہ بھی ہوتے ہیں لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ ان کی معمول کی زندگی اسی انداز سے شروع ہو جاتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان وہی باہمی الفت، بچوں کی چیخ و پکار، مہمانوں کی آمدورفت، عمدہ کھانے پکانے کا ہنگامہ، اتوار کو پوری فیملی کے ساتھ اسلامی مرکز جانے کی تیاری، دنیا جدھر بھی جائے ان کا چھوٹا سا خاندان اپنی بھرپور گھریلو

مسرت میں مست رہتا ہے۔ یہ ہے محفوظ گھر کا وہ تصور جسے آج مغرب کی ہر عورت حاصل کرنا چاہتی ہے۔

یہ احساس بھی عام ہونے لگا ہے کہ سروں کو ڈھکے رکھنا اور جسم کو چھپائے رکھنے کی تلقین دراصل عورت کو وقار عطا کرنے کی خاطر ہے۔ لندن میں مقیم ایک انگریز نومسلمہ جن کا اسلام اب کوئی دس سال پرانا ہے اور جنہوں نے اپنے خاندان سے بغاوت کرکے ایک ہندوستانی مسلمان سے شادی کی ہے ان کا کہنا ہے کہ قبل از اسلام کے مختصر لباس کے مقابلے میں آج اپنی پتلون اور اسکارف میں خود کو زیادہ باوقار محسوس کرتی ہوں۔ وہ اپنی طالب علمی کے دور کو یاد کرتے



لندن کے ریجنٹ پارک میں قرآن شریف اور جائے نماز وغیرہ کی دوکان پر چند نو مسلمات

مغرب میں عورتوں کو یہ شکایت عام ہے کہ شباب میں انہیں بہ آسانی ملازمت مل جاتی ہے جب تک وہ جسمانی طور پر اپنی کشش برقرار رکھ پاتی ہیں۔ سیلز گرل سے لے کر ایر ہوسٹیس تک ہر جگہ ان کے لئے وافر امکانات ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں حسن ڈھلا اور شباب رخصت ہوا ان کی ملازمت ختم ہوجاتی ہے۔ گویا ہر جگہ دراصل ان کے حسن وشباب کا استحصال ہے۔

ہوئے کہتی ہیں کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ آخر نقطہ انجماد کی ٹھنڈک میں جب مرد انتہائی دبیز اونی سوٹ میں ملبوس ہوں یہ کون سا فیشن ہے کہ عورتیں منی اسکرٹ پہن کر اپنی پنڈلیاں کھلا رکھنے پر مجبور ہوں۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ اپنی خوبصورت ٹانگوں کی نمائش کے لئے سخت ترین ٹھنڈک میں بھی انہیں کھلا رکھا جائے۔ اور اس سخت اذیت کے باوجود کوئی اگر آپ کی ٹانگوں کی تعریف کردے تو اسے گویا معراج سمجھ لیا جائے۔ آخر مردوں کے پسندیدہ اقدار والے فیشن کو اپنانے کے لئے عورتیں مجبور کیوں کی جائیں۔

گذشتہ دنوں لندن کی ایک مسجد میں بہن نوراں نے اسلام قبول کیا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے نئے اسکارف میں کیا محسوس کرتی ہیں تو اس نے بڑی دلچسپ بات بتائی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسکارف واقعی بڑے کام کی چیز ہے۔ میں تو اس کے اندر اپنا ہیڈ فون چھپا لیتی ہوں اور اس طرح ٹرینوں اور بسوں میں اپنا پسندیدہ کیسٹ سنا کرتی ہوں اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں کیا کررہی ہوں۔

مغرب میں اب ایک ایسے نظام کی تلاش تیز ہوگئی ہے جو عورت کو ایک محفوظ مستقبل دیتا ہو۔ اور چونکہ کوئی قانون صرف قانون کی حیثیت سے عورتوں کے حقوق کا تحفظ نہیں کرسکتا اس لئے ایک ایسے مذہب کی تلاش شروع ہوگئی ہے۔ جو مرد کو عورت کا خیال رکھنے کی تلقین کرتا ہو۔ اور یہ سب کچھ محض سماجی ذمہ داری نہ ہو بلکہ ایک مذہبی فریضہ بھی ہو۔ چونکہ اسلام اور مسلم معاشرہ مغرب کے مقابلے میں عورت کو زیادہ تحفظ فراہم کررہے ہیں اس لئے عورتوں کو اسلام میں زیادہ کشش محسوس ہورہی ہے۔ ایمسٹرڈم میں ایک روحانی حلقے کی سربراہ بہن عین کا کہنا ہے کہ عورتوں کے صحیح حقوق کی ضمانت نہ تو آج کے مغربی معاشرے میں ملتی ہے اور نہ ہی مشرق میں اسے مکمل تحفظ حاصل ہے وہ کہتی ہیں کہ گو کہ مشرق میں عورتوں کو سماجی تحفظ زیادہ حاصل ہے لیکن وہاں بھی روایات کے نام پر ان پر ظلم ہورہا ہے۔ رہی بات مغربی تہذیب کی تو یہاں تو عورت مظلوم ہے ہی۔ بہن عین جو کہ Feminist (عورت پرست) مقرر کی حیثیت سے معروف ہیں اور جنہوں نے اسلام کا خاصا مطالعہ کیا ہے، کا کہنا ہے کہ عورت کو نہ تو مغربی معاشرے میں سکون مل سکتا ہے اور نہ ہی مشرق میں۔ ہاں اگر کوئی معاشرہ عورت کو اس کے وہ سارے حقوق دے سکے جو اسلام اصولی طور پر عطا کرتا ہے تو شاید عورت کو وہ سب کچھ مل سکے جس کی تلاش کا عمل آج مغرب میں شدت اختیار کرگیا ہے۔

لندن سے نمائندہ ملی ٹائمز

15 مئی رات کا پہلا پہر ہے۔ پیرس کے انٹرنیشنل ایرپورٹ اورلی پر ایسی کوئی خاص گہما گہمی نہیں ہے جسے غیر معمولی کہا جاسکے، البتہ پریس گیلری میں اخباری نامہ نگاروں اور فوٹو گرافروں کی بھیڑ کچھ زیادہ ہے۔ خبروں کے بھوکے ان انسانوں کو کسی کا انتظار ہے۔ ان کے چہروں سے صاف جھلک رہا ہے کہ آئندہ چند لمحوں میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ ان کے اخبارات کے لئے بہترین سرخی فراہم کرسکتا ہے۔

عمران خان کی شادی کا آنکھوں دیکھا حال



خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑی ختم ہوتی ہے۔ مسافروں کے درمیان اخبار نویسوں کی تیز آنکھیں ایک خوبصورت جوڑے کو ڈھونڈ لیتی ہیں۔ فوٹو گرافر اپنے کیمرے کو ٹھیک کرنے لگے ہیں۔ اور جیسے ہی نوجوان جوڑا پریس والوں کے قریب آتا ہے ماہر فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے ان کا فوٹو لینے میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ یہ خوبصورت اور نوجوان جوڑا کوئی اور نہیں عمران اور ان کی بیوی جائمہ خان ہیں۔

اخبار نویسوں کے سوالوں کے جواب میں عمران اور جائمہ دونوں یہ کہتے ہیں کہ ان کی شادی 20 جون کو انگلینڈ میں ہوگی جو چند گھنٹوں بعد سفید جھوٹ ثابت ہوتی ہے۔ دراصل اخبار نویسوں سے فرصت پاتے ہی عمران اور جائمہ سر گولڈ اسمتھ کی بھیجی ہوئی مرسڈیز میں بیٹھ کر پیرس کے ایک خوبصورت علاقے میں واقع ان کے گھر چلے جاتے ہیں جہاں چند اور مہمان ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان سب کے چہروں سے عیاں ہے کہ کوئی خاص بات ہونے والی ہے۔ کچھ دیر بعد پیرس میں پاکستان کے سفیر اور کونسلر جنرل بھی تشریف لاتے ہیں۔ آدھی رات سے تھوڑا قبل جائمہ کی والدہ لیڈی انابیل بھی اس مختصر گروپ میں آکر شامل ہوجاتی ہیں۔ اور پھر پیرس کے اسلامی سینٹر کے امام صاحب تشریف لاتے ہیں۔ آدھی رات کے معا بعد جب ایک طرح سے 16 مئی کا آغاز ہوچکا ہوتا ہے ایک مختصر تقریب میں عمران اور جائمہ خان کا نکاح ہوجاتا ہے۔ امام نے دولہے اور دولہن دونوں سے شادی سے متعلق ان کی مرضی دریافت کی اور جب دونوں نے اردو میں تین بار "قبول" کا لفظ دہرا دیا تو امام نے عربی میں خطبہ پڑھ کر اس شادی کی تکمیل کردی۔

پاکستانی سفیر اور بعض دوسرے معزز مہمانوں کی آمد سے خبروں کے بھوکے بعض اخبار نویسوں کو شبہ ہوگیا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔ چنانچہ ایسے نامہ نگاروں کی ایک اچھی خاصی تعداد سر گولڈ اسمتھ کے گھر بھی آپہنچی ہے۔ شادی کے



عمران اور حائقہ ایک ڈینر کے موقع پر

خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑی ختم ہوتی ہے۔ مسافروں کے درمیان اخبار نویسیوں کی تیز آنکھیں ایک خوبصورت جوڑے کو ڈھونڈ لیتی ہیں۔ باہر فوٹو گرافر مختلف زاویوں سے ان کا فوٹو لینے میں مصروف ہوجاتے ہیں ۔ یہ خوبصورت اور نوجوان جوڑا کوئی اور نہیں عمران اور ان کی بیوی حائقہ خان ہیں۔

فورا بعد عمران اور حائقہ مسکراتے ہوئے گھر سے باہر آکر اخبار والوں سے مل کر اپنی شادی کا اعلان کرتے ہیں ۔ جب مغربی اخبار نویس عمران اور حائقہ سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ اس یادگار موقع پر ان کا فوٹو لے سکیں تو عمران خان جواب دیتے ہیں ۔ " اسلام میں عوام کے سامنے ایسا کرنا جائز نہیں ہے "۔

عمران پٹھانی سوٹ میں واقعی ایک خوبصورت دولہا لگ رہے تھے یعنی وہ عمران خان جو مدتوں سے لاکھوں نازک اندامون کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے تھے ۔ حائقہ خان نے بھی موقع کی مناسبت سے عورتوں کا شلوار اور قمیص پہن رکھا تھا ۔ وہ اپنی سفید رنگت کے باوجود واقعی ایک مشرقی دلہن نظر آرہی تھیں۔

یہ سب کچھ بہت آنا فانا ہوا ۔12 مئی کو ایک اخبار نویس نے سر گولڈ اسمتھ کے گھر فون کر کے دریافت کیا کہ کیا ان کی صاحبزادی عمران خان سے شادی کرنے والی ہے ؟ اخبار نویس کو کوئی خاص جواب نہ ملا تو اس کا تجسس اور بڑھ گیا۔ اور پھر تو سر گولڈ اسمتھ کے گھر پر اس ضمن میں ٹیلی فون کال پہ کال آنے لگی ۔ یہ دیکھ کر کہ اب اخبار والے سچ جانے بغیر ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے گولڈ اسمتھ نے اپنے تعلقات عامہ کے افسر کو مندرجہ ذیل بیان جاری کرنے کا حکم دیا۔

"سر جیمس گولڈ اسمتھ اور لیڈی انابیل اپنی بیٹی کی عمران خان سے شادی کا اعلان کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں ۔ یہ شادی جون کے آخر میں ہوگی "۔

ادھر لاہور میں عمران کے والد نے بھی اخبارات کے مسلسل اصرار پر اپنے بیٹے کی مجوزہ شادی کی تصدیق کردی ۔ لیکن خود عمران خان اس انکشاف سے کافی ناخوش بلکہ برہم تھے ۔ وہ اپنی شادی کو آخری لمحات تک خفیہ رکھنا چاہتے تھے ۔ لیکن اس کے انکشاف کے فورا بعد انہوں نے محسوس کرلیا کہ اخبار والے ایک ہنگامہ برپا کردیں گے ۔ چنانچہ انہوں نے فورا شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

13 مئی کو عمران لندن گئے ۔ وہاں حائقہ اور ان کے والدین سے بات کر کے انہیں خاموشی سے پیرس میں شادی کرنے پر راضی کرلیا۔ چنانچہ 15 اور 16 مئی کی درمیانی شب میں بالاخر ان کی شادی ہوگئی ۔ اس جلد بازی کی وجہ سے شادی میں عمران کا اپنا کوئی رشتہ دار شریک نہ ہوسکا ۔ خود حائقہ خان کے دونوں بھائی بھی شریک نہ ہوسکے ۔ ان کی ایک آدھی بہن تو اپنے اسپورٹ کپڑوں میں ہی دوڑی چلی آئی کیونکہ اسے شادی میں شرکت کی اطلاع کافی دیر سے ملی اور پیرس میں وہ جہاں کہیں بھی تھی وہاں سے فورا دوڑی ہوئی گولڈ اسمتھ کے گھر چلی آئی۔

لیکن شادی کے بعد عمران اور حائقہ خان نے اخبار نویسوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ انہیں تاریکی میں رکھنے سے انہیں جو مایوسی ہوئی ہے اس کی تلافی 20 جون کو ہوجائے گی جب لندن کے رکسمنڈ کے علاقے میں اس شادی کا خوبصورت استقبالیہ دیا جائے گا ۔20 جون کو اس تقریب میں برطانیہ کے سرکردہ شہریوں اور شاہی خاندان کے نمایاں افراد کی شرکت متوقع ہے ۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ یہ امسال لندن کی سب سے اہم پارٹی ہوگی ۔ فی الحال عمران اور حائقہ اسپین میں ہنی مون منا رہے ہیں ۔ یقینا دونوں خود کو چاند پر محسوس کر رہے ہوں گے ۔

عمران خان

میں اپنے ولیمہ کی دعوت میں بے نظیر کو نہیں بلاؤں گا

13 جون کو عمران نے اپنی شادی کے بعد لندن سے شائع ہونے والے "دی ٹیلیگراف" کو اپنا پہلا انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں ان کے خلاف جو مہم چلائی جارہی ہے اس میں پاکستان پیپلز پارٹی کا ہاتھ ہے۔ خود عمران کے الفاظ میں پاکستان میں میرے خلاف میڈیا کے ذریعہ منظم حملہ کے پیچھے سیاسی مقاصد کارفرما ہیں۔ کم از کم اس حد تک مجھے یقین ہے۔ رہی یہ بات کہ ہماری شادی کسی صیہونی سازش کا حصہ ہے تو اس کے بارے میں سوچنا بھی مضحکہ خیز ہے۔ بلاشبہ پاکستان میں ایک ایسی لابی ہے جو اس بات کو یقینی بنانا چاہتی ہے کہ میں سیاسی طور پر خطرہ نہ بنوں"۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا بے نظیر خود بھی عمران مخالف مہم میں شامل ہیں، انہوں نے کہا: "میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وزیراعظم بذات خود اس میں شریک ہیں لیکن ان کی پارٹی کے لوگ یقیناً ہیں۔ ؟ کچھ سیاستداں ہیں جو مجھ سے خطرہ محسوس کرتے ہیں حالانکہ میں نے کبھی کسی سیاسی عہدے کی خواہش تک نہیں کی ہے"۔

اپنے خلاف مکاری کے الزام کے سلسلے میں کئے گئے سوال کے جواب میں عمران نے وہی بات دہرائی جو اس سے قبل وہ اپنے ایک مضمون میں تفصیلاً لکھ چکے ہیں یا جس کا جواب ان کی بیوی نے اپنے مضمون میں دیا ہے۔ • یعنی یہ کہ اس شادی کے لئے نہ انہوں نے اپنا مذہب ترک کیا اور نہ وطن کو خیرباد کہا۔ مزید برآں اسلام میں یہودی سے شادی کرنا ممنوع نہیں ہے۔ پھر یہ مکاری کا الزام کیوں؟۔ اپنے اس جواب کو مزید مدلل بنانے کے لئے "عمران نے یہ بھی کہا کہ صدر اسلام میں یہ مذہب اسی طرح پھیلا تھا یعنی تبدیلی مذہب کے ذریعے خاص طور سے مغربی ایشیا میں۔

اپنے سابق کرکٹ ساتھی سرفراز نواز کے اس الزام کے جواب میں کہ ان کی شادی یہودی سازش کا ایک حصہ ہے، عمران نے حقارت سے کہا کہ "اس نے زندگی میں کوئی کام نہیں کیا ہے۔ اسے کسی بھی مسئلے پر بولنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ بے نظیر حکومت میں کھیل کا مشیر ہے۔ دراصل اسے لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے نظرانداز کردینا ہی بہتر ہے"۔

البتہ عمران نے اپنے ان خیر خواہوں کی تنقید کو تسلیم کیا جن کا کہنا ہے کہ کیا پاکستان میں اس کے لئے کوئی مناسب لڑکی نہیں تھی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے عمران نے کہا کہ "ایک حد تک یہ سوال صحیح ہے۔ یقین کریں کہ میں نے پاکستان ہی میں شادی کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ بہتر بھی ہوتا۔ لیکن زندگی میں سب کچھ ویسے نہیں ہوتا جیسے آپ چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ سب خدا کی مرضی سے ہوتا ہے"۔

ایک سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں ہورہی تنقید سے وہ کس قدر دل برداشتہ ہیں عمران نے کہا کہ "ذاتی طور پر مجھے بہت زیادہ نہیں۔ لیکن اس سے کافی تکلیف ہوئی کہ میرے اہل خاندان کو نشانہ بنایا گیا" مجھے اس سے بھی تکلیف ہوئی کہ اس سب کے پیچھے ایک سیاسی مقصد تھا۔ عمران نے یہ بھی کہا کہ اس سے پاکستان کے نام نہاد لبرل یا نقلی لبرل لوگوں کا پول بھی کھل گیا ہے۔ حالنکہ سے شادی کرنے پر میرے خلاف وہ لوگ برہم ہیں جو خود کو وسیع النظر اور کشادہ ذہن کہتے ہیں۔ اس کے برعکس بنیاد پرست کہے جانے والوں نے میری شادی کا استقبال کیا ہے۔" میری شادی نے یہ واضح کردیا ہے کہ کون دل سے لبرل ہے اور کون نقلی لبرل ہے یعنی وہ جس نے احساس کمتری

"یقین کریں کہ میں نے پاکستان ہی میں شادی کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ بہتر بھی ہوتا۔ لیکن زندگی میں سب کچھ ویسے نہیں ہوتا جیسے آپ چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ سب خدا کی مرضی سے ہوتا ہے"

کے ساتھ پرورش پائی ہے"۔ اس ضمن میں عمران نے یہ بھی کہا کہ برطانوی ٹیلی ویژن کے چینل 4 نے بہت سے پاکستانیوں سے انٹرویو لیا ہے جن میں اکثریت سرحد کے پٹھانوں کی ہے اور جو بہت زیادہ رجعت پسند کہے جاتے ہیں مگر ان سب نے اس شادی کا استقبال کیا۔ اسی طرح انہوں نے اس خبر کو بھی جھوٹا قرار دیا کہ "پاسبان" تنظیم اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ جنرل حمید گل کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ ان کے خیال میں اس شادی سے مشرق و مغرب

کے درمیان اتحاد پیدا ہوگا۔

مغربی اخبارات کے ردعمل کے جواب میں عمران نے کہا کہ "کچھ مضامین حوصلہ افزا تھے۔ مگر Tabloids نے جو کچھ لکھا ہے وہ نسلی تعصب، اسلام دشمنی یا اس مذہب کے بارے میں ان کی جہالت کا آئینہ دار ہے اور جہاں تک ان مضامین کا تعلق ہے جس میں جمیمہ کو زنجیروں میں بندھا ہوا دکھایا گیا ہے تو ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہے۔

جب عمران سے یہ پوچھا گیا کہ کیا اب بھی وہ امید کرتے ہیں کہ نوجوان "عمران وزیراعظم" کا نعرہ لگائیں گے تو عمران نے جذباتی مگر واضح انداز میں کہا کہ "لوگ آزاد ہیں کہ وہ جو چاہیں سوچیں لیکن کینسر اسپتال کا پروجیکٹ میں نے اپنی انا کی تسکین یا اسے بڑا کرنے کے لئے نہیں شروع کیا تھا۔ میں نے وزیراعظم یا اس جیسی چیز بننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ نہ میرے ذہن میں انتخابات ہیں اور نہ ووٹروں کے بارے میں میں سوچتا ہوں۔ اس وقت بھی میرا ایمان تھا اور آج بھی ہے کہ بیرونی امداد سے ہمارا کام نہیں چلے گا۔ ہمیں خود ہی اپنی چیزیں قائم کرنی ہیں۔ اسی نقطہ نظر سے میں نے اسپتال قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اس کے پیچھے کوئی اور مقصد نہیں تھا"۔



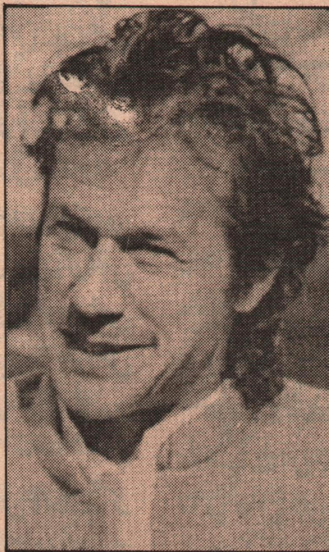
یہ پوچھے جانے پر کہ کیا اب بھی وہ براؤن صاحبان کی تنقید کرتے رہیں گے، عمران نے کہا کہ "اس سے میری شادی کا کیا تعلق ہے۔ میں اب بھی ان لوگوں کی تنقید کرتا رہوں گا جو اندھی تقلید کرتے ہیں، جو اپنے کلچر کو حقیر اور اجنبی مغربی تہذیب کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ ہمیں اپنے کلچر پر شرمندہ ہونے کے بجائے اس پر فخر کرنا چاہئے"۔

عمران جولائی کے وسط میں لاہور لوٹنے والے ہیں۔ اس وقت دعوت ولیمہ کا بھی پروگرام ہے۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا وہ وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو دعوت ولیمہ میں شرکت کی دعوت دیں گے تو انہوں نے برجستہ کہا کہ نہیں۔ "میں وزیراعظم کو دعوت نہیں دے رہا ہوں"۔

پاکستان اکیسویں صدی کا استقبال کیسے کرے؟

عمران خان کی خصوصی تحریر

چودہ سو سال پہلے عرب میں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ انسانی تاریخ میں ایسی تابناک مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ اس عہد میں بھی دو سپر پاورز تھیں، ایک رومن اور دوسری پرشین۔ سپر پاور جس میں سے ایک مشرق اور دوسری مغرب میں حکم آخر کا درجہ رکھتی تھی۔ ان میں سے کسی سپر پاور کے نزدیک صحرائے عرب اور اس کے قعر مذلت میں گرے ہوئے بدوؤں کی قطعاً کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ غریب اور پسماندہ تھے اور قیصر و کسریٰ کے لئے کسی خطرے کا باعث بننے کی ہر اہلیت سے مکمل طور پر عاری تھے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنے مختصر سے ساتھیوں کے ساتھ ایک مختصر سی پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر کا آغاز کیا تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا، تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آئندہ چند عشروں میں یہی مختصر سی ریاست قیصر و کسریٰ کو روند کے رکھ دے گی دونوں سپر پاورز کو تاخت و تاراج کر دے گی اور تعداد سے لے کر تکنیک، تعلیم، تجربے اور اسلحے کی کمی کے باوجود ان پر غلبہ حاصل کر لے گی۔



نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سو سال کے اندر اندر مسلمان اپنے عہد کی عظیم ترین تہذیب کے طور پر میدان جنگ سے لے کر سائنس، طب، فلکیات، ہندسہ، جیومیٹری غرضیکہ ہر شعبہ میں اپنا لوہا منوا چکے تھے۔

اس محیر العقول اور ناقابل یقین کامیابی کا راز کیا تھا؟ یہ معجزہ کیسے رونما ہوا؟ وہ صحرائی بدو جنہیں کوئی درخور

اعتنا تک نہ سمجھتا تھا۔ جو کسی کھاتے میں نہ تھے، جس کی جہالت، درماندگی، پسماندگی اور بے چارگی مسلمہ تھی ایک مختصر سے عرصہ میں دنیا بھر پر کیسے چھا گئے؟ انسانی تاریخ کی عظیم ترین تہذیب کی بنیاد رکھنے کا باعث کیسے بن گئے؟

کیا یہ کسی غیر ملکی سرمایہ کاری کا کمال تھا؟ کیا یہ بیرونی امداد یا قرضوں کا اعجاز تھا؟ یا وہاں سونے کی کانیں اور تیل کے ذخائر نکل آئے تھے؟ یا بدوؤں نے اپنے عہد کی سپرپاورز کی نقالی شروع کردی تھی؟ (جیسے اتاترک نے ترکی کو جدید ترکی بنانے کے جنون میں یوروپ کی نقالی شروع کردی تھی؟)

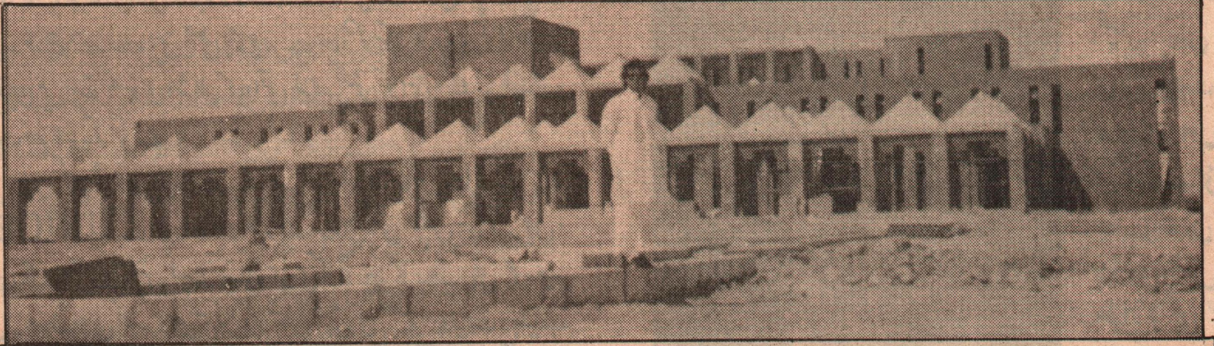
یقیناً مندرجہ بالا عوام میں سے کسی ایک کا وجود بھی نہ تھا۔

مسلمانوں کی عظمت و سربلندی فقط ایک نظریہ کا کمال تھا۔ اللہ کے ایک ہونے کو تہہ دل سے حقیقی معنوں میں تسلیم کرنے اور عملاً بھی اس کا اعتراف کرنے کا اعجاز تھا انسان کی انسانی غلامی سے نجات ہی انسانیت کی نجات دہندہ ثابت ہوئی۔ یہ مساوات محمدی، عدل اور انصاف کی فتح تھی۔ بقول سعدی "بت پرستی اور شرک گناہ ہے لیکن انسان کا انسان کو پوجنا اس سے بھی بڑا جرم ہے"۔

"بت پرستی اور شرک گناہ ہے لیکن انسان کا انسان کو پوجنا اس سے بھی بڑا جرم ہے"۔

مفروضے ماضی میں غلط ثابت ہوچکے ہیں کہ غلاموں اور افتادگان خاک نے عظیم الشان سپہ سالاروں اور دانشوروں کو جنم دیا۔ صرف 7000 لشکریوں کے ساتھ ساحل پر کشتیاں جلاکر اسپین فتح کرنے والے طارق بن زیاد سے لے کر قطب الدین ایبک تک کون لوگ تھے؟ لیکن کشتیاں تو وہی جلاسکتے ہیں جنہیں سوئزرلینڈ کے بینکوں میں اپنے اکاؤنٹس کی فکر نہ ہو۔

اقبال اس المیہ کی نشاندہی کرنے میں کہ کس طرح انگریز سامراج نے جسمانی ہی نہیں فکری طور پر بھی ہمیں زنجیروں میں جکڑ دیا۔ وہ مسلمان انٹیلی



عمران خان اپنے زیر تعمیر کینسر اسپتال کے سامنے

خلفائے راشدین کے عہد میں ایک ایسا عظیم الشان معاشرہ تشکیل پایا جس میں انصاف اور عدل کی حکمرانی تھی۔ انسانوں میں تفریق روا رکھنے کا تصور تک ختم ہوچکا تھا۔ انسان کا استحصال اور اس کی اہانت قتل سے بھی سنگین جرم تھا کیونکہ اس سے انسانی صلاحیتیں اور خصوصاً اس کی تخلیقی قوت تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔ انسان کے اندر امکانات موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کے لئے ظہور اور نشو و نما کے مواقع ختم ہوجاتے ہیں۔ دین فطرت اور دین کامل نے نہ صرف انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلائی بلکہ انسان کو خود اس کے اندر چھپے سہم سے بھی چھٹکارا دلایا۔ موت کے خوف سے آزادی کے ساتھ ساتھ اسے ذلت و عزت سے بھی ماوری کردیا کہ......

"عزت و ذلت صرف اللہ کے اختیار میں ہے" یہی نہیں، بلکہ مسلمان کو بتایا گیا کہ اگر وہ اپنی نفسانی اور حیوانی جبلتوں پر قابو پالے تو پھر وہ اشرف المخلوقات کے درجات تک بھی جاسکتا ہے۔

یہی وہ فکری اور روحانی انقلاب تھا جس نے مختصر ترین مدت میں لاتعداد عظیم فتوحات اور شخصیات کو جنم دیا۔ جینز کی تازہ ترین سائنس کے بہت سے

جینشیا" کو ان کی ذہنی غلامی سے خبردار کرتے ہوئے پوچھتا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

اس ایک شعر میں ہمارے لئے بہت بڑا پیغام اور اشارہ ہے کیونکہ آج قوم کو بت پرستی کے مرض میں دھکیل دیا گیا ہے۔ جس کی بے شمار شکلیں ہیں۔

جدید بت پرستی کی ایک شکل تو غیر ملکی سرمایہ کاری ہے۔ جسے پالینے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ فلاح اور نجات کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس اخلاقی انحطاط اور کرپشن کی انتہا پر کیا واقعی غیر ملکی سرمایہ کاری ہوگی۔ اور اگر ہوگی تو اس کے کوئی مثبت اور تعمیری نتائج بھی نکلیں گے؟

بعض کے نزدیک "غیر ملکی، بیرونی امداد" ایک ایسا بت ہے جس کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے ہمارے حالات سنور جائیں گے۔ آج تک کی اربوں ڈالرز کی بیرونی امداد نے ایک عام آدمی کے لئے کیا کیا ہے جو آئندہ کرے گی؟ عہد جدید کے بتوں میں سے ایک کا نام "مغرب" اور دوسرے کا "امریکہ" ہے یہ عہد جدید کے لات و منات ہیں۔ ملکہ الزبتھ اور جیکولین کینیڈی کے دوروں کے بعد

یروشلم کی فتح پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ وہاں پہنچے تو باڈی گارڈز کا کوئی جتھہ ان کے ہمراہ نہ تھا بلکہ اس کے برعکس اس وقت وہ اس اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے

حال ہی میں ہلیری کلنٹن کے دورہ پاکستان کے دوران جو کچھ ہوا۔ دردناک بھی تھا۔ شرمناک بھی کیونکہ روایتی مشرقی مہمان نوازی اور تلوے چاٹنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور کیا واقعی ہم اتنے ہی "چالاک" تھے کہ ہلیری کلنٹن جیسی باشعور اور باخبر خاتون اول کو بے وقوف بنا سکتے؟ اس سے حقائق چھپا سکتے؟ اور سوقیانہ طریقے سے اسے اپنی جعلی چکاچوند سے متاثر کرسکتے؟ ہماری کوتاہ نظر اور خود فریبی میں مبتلا مصنوعی اشرافیہ کیا واقعی ہلیری کلنٹن کو اپنی "شان و شوکت و امارت" پر قائل کرسکی ہے؟

اس کمپیوٹر اور سیٹلائٹ کے عہد میں امریکی خاتون اول کے لئے UNICEF کے ان اعداد و شمار تک رسائی کتنی مشکل ہوگی کہ اس "رئیس ملک" کی پینتالیس فیصد دیہاتی آبادی کو تو پینے کا صاف پانی بھی میسر نہیں۔ صرف دس فیصد دیہی آبادی کو سینیٹی ٹیشن کی عظیم سہولیات دستیاب ہیں ملک کی تیس فیصد آبادی خط غربت سے بہت نیچے قیام پذیر اور اس نظام پر نوحہ خواں ہے۔ 1000 نوزائیدہ بچوں میں سے 100 بچے اپنی زندگی کی پہلی بہار بھی نہیں دیکھ سکتے اور موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ تقریبا 70 فیصد عوام تعلیم کی بنیادی حق سے محروم ہیں صرف تین فیصد پرائمری اسکولوں کو سینیٹی ٹیشن کی عیاشی میسر ہے اور بے روزگاری کا عفریت جرائم کو جنم دے رہا ہے؟۔ بے روزگاری نسلوں کو برباد کر رہی ہے۔

ایک طرف ہم ہلیری کلنٹن سے اپنے تئیں وہ حقائق چھپا رہے ہیں جن کے بارے میں آمد سے پہلے بخوبی بریف کر دیا گیا ہوگا، دوسری طرف ہم اسے مرسڈیزوں کی قطاریں، قصر صدارت اور وزیراعظم کے محلات کے ساتھ ساتھ شیش محلوں میں مغلیہ تہذیب اور رقص دکھا رہے ہیں۔ اور تیسری طرف ان کی جانب کاسہ گدائی لے کر بھیک مانگنے کے لئے لپک رہے ہیں۔

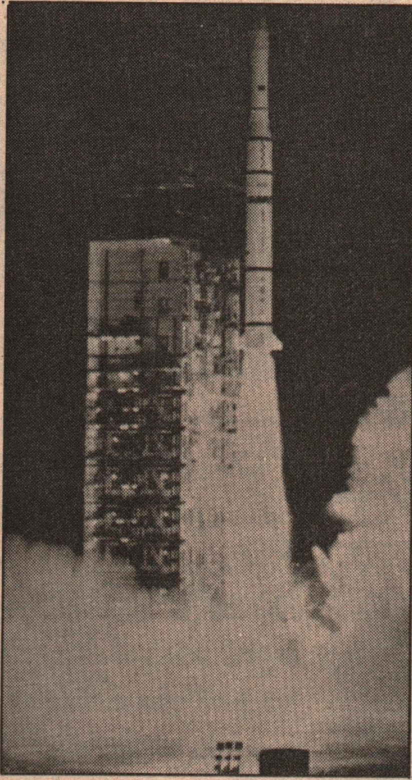
یہ لوگ کس کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں امریکہ کو؟ اپنے آپ کو؟ یا اپنے عوام کو؟؟؟

اس رویے کو کم از کم اور نرم سے نرم لفظوں میں بے غیرتی ہی کہا جائے گا۔

اس سے زیادہ اندوہناک اور حقارت آمیز کیا ہوسکتا ہے کہ جہاں کہیں بھی ہلیری کلنٹن کو لے جایا گیا۔ عوام کو بھیڑ بکریوں کی ریوڑ کی طرح ہانک دیا گیا۔ ہوائی اڈے بند کر دیئے گئے۔ سڑکیں سنسان کر دی گئیں، قدم قدم پر نوآبادیاتی نظام کی یاد تازہ کر دی گئیں جو اس بات کا اعلان تھا کہ خود ہمارے اپنے عوام کم تر اور گھٹیا درجے کی مخلوق ہیں جن پر سپر مخلوق کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے۔

میں ہلیری کی جگہ ہوتا تو دل ہی دل میں اس غیر انسانی تماشہ پر متاسف، نادم اور شرمسار ہوتا، خود اپنوں کے لئے حکمراں اور غیروں کے آگے اس غلامانہ رویہ پر افسوس کرتا...... شاید دل ہی دل میں ہلیری کلنٹن نے بھی یہی کچھ محسوس کیا ہو۔

مسائل کے حل کے لئے پہلے مرحلے میں عوام کے اندر خودی کی بیداری اور عزت نفس کے احساس کو جگانا ہی ترجیحات میں سرفہرست رکھنا ہوگا۔ "جنگل کے قانون" کو بدلنا ہوگا اور "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے تصور کی زبانی ہی نہیں عملی طور پر بھی نفی کرنا ہوگی۔ کمزور کو مکمل تحفظ اور عزت فراہم کرنا ہوگی۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت؟ اقلیتیں ہوں یا محروم طبقات، کاروباری ہوں یا غیر ملکی...... حتی کہ صنعت کاروں کی جائز کمائی، اثاثوں اور حقوق کو بھی تحفظ دینا ہوگا تاکہ وہ سیاسی دباؤ اور سرکاری بلیک میلنگ سے بے نیاز ہو کر ملکی معاشی ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ یہی نہیں میں تو پولیس اور ایسے ہی دیگر اداروں کے لئے بھی تحفظ اور عزت چاہتا ہوں۔ جنہیں غیر مناسب تنخواہیں دے کر رشوت ستانی میں ڈھکیل کر انہیں عوام کے مقابل کھڑا کر دیا جاتا ہے عوام اور ان کے درمیان خلیج حائل کرکے دو محروموں کو ایک دوسرے کے سامنے صف آراء کر دیا جاتا ہے۔



ہمیں اپنے عوام کو استحصال سے مکمل طور پر نجات دلانا ہوگا اور ان کے ایسے تمام حقوق کو بحال کرنا ہوگا جو انہیں اللہ کی طرف سے عطا کئے گئے نوآبادیاتی نظام کے بدترین یادگار اس طبقاتی نظام تعلیم کو ختم کرنا ہوگا جو کلونیل

عہد سے بھی بد تر حالت میں موجود ہے۔

ہمیں اپنے موجودہ انتخابی نظام کی اصلاح کرنا ہوگی جس میں عوام کے لئے براہ راست اقتدار تک پہنچنے کے تمام تر راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ ایک عام آدمی، شریف آدمی اس میں شرکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ان تمام ذرائع کا خاتمہ انتہائی ضروری ہے جو انسان کو انسانی غلامی میں رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔

نوآبادیاتی نظام کی اس غلیظ ترین روایت اور یادگار کو ختم کرنا ہوگا جسے عرف عام میں "وی آئی پی کلچر" کہا جاتا ہے۔

"وی آئی پی" لوگوں کو راستہ دکھانے کی بجائے ان پر راستے بند کرنا ہوں گے۔ قانون ساز قانون کے احترام کے بجائے قانون شکنی کی مثالیں پیش کر کے اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہر "وی آئی پی" بنیادی طور پر یا تو "عوامی نمائندہ" ہوتا ہے

خود کفالت ... ہماری خودی اور خودداری کے لئے بنیادی شرط ہے اور خود ساختہ خداؤں، ان جدید بتوں کو پاش پاش کئے بغیر، اللہ کی حاکمیت کے عملی اعتراف کے بغیر ہم یہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اپنی مدد کے لئے کھڑے نہیں ہوں گے تو کوئی ہماری مدد کے لئے نہیں آئے گا خواہ وہ کوئی سپر پاور ہو یا کوئی بین الاقوامی ادارہ۔

یا "عوامی ملازم" یعنی پبلک سرونٹ..... تو پھر یہ اپنے اور عوام کے درمیان دیوار چین کیوں استوار کرتے ہیں؟ عوام کے ملازموں اور "عوام کے نمائندوں" کو عوام سے فاصلے پر رکھنا اور ان کی دسترس سے دور رہنے کا کیا جواز ہے۔ ان وی آئی پی انکلوژرز، وی آئی پی لاؤنجز اور وی آئی پی کار پارکنگس کا کیا جواز ہے؟ عوام کسی چھوت کے مرض میں مبتلا ہیں جو انہیں لگ جائے گا یا یہ لوگ کسی ایسے وائرس کا شکار ہیں جس سے عوام کو بچانا ضروری ہے۔

یروشلم کی فتح پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ وہاں پہنچے تو باڈی گارڈز کا کوئی جتھہ ان کے ہمراہ نہ تھا بلکہ اس کے برعکس اس وقت وہ اس اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھے جس پر ان کا ملازم سوار تھا کہ اس وقت باری

عہد جدید کے بتوں میں سے ایک کا نام "مغرب" اور دوسرے کا "امریکہ" ہے یہ عہد جدید کے لات و منات ہیں۔

ہی اس کی تھی۔

اپنے "وی آئی پی" خواتین و حضرات کے لئے میں نو صدی کے عظیم مسلم دانشور الجاحظ کا قول نقل کرتا ہوں جن کا آبائی تعلق افریقی غلاموں کے ساتھ تھا۔

"شریف آدمی خود کو شریف ظاہر کرنا ضروری نہیں سمجھتا کہ جب کوئی شخص اپنی خوبیوں کے بڑھا چڑھا کر بیان پر مصر اور بضد ہوتا ہے تو دراصل یہ اس کے اندر کسی نہ کسی ضعف خلا اور کسی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ بزدل بڑک مارتا ہے اور اس طرح اپنے اندر کی کمزوری کو چھپاتا ہے تکبر انسان میں بد ترین گناہ ہے عجز و انکساری پسندیدہ ترین باتوں میں سے ہے"۔

وقت آگیا ہے کہ ہم اس وی آئی پی کلچر سے مکمل طور پر نجات حاصل کرلیں۔ حکومتوں کو اس کے خاتمے کی اہمیت کا احساس کرنا ہوگا۔ عوام کی عزت کا ادراک کرنا ہوگا۔

اس ملک میں تعلیم سے لے کر صحت عامہ تک، روزگار سے لے کر امن عامہ کی تشویش ناک صورت حال تک واقعی ہم قصر صدارت اور قصر وزیراعظم جیسے پر تعیش اور شہنشاہانہ محلات کے متحمل ہوسکتے ہیں؟

کیا کبھی کسی نے غور کیا کہ صوبے کا گورنر ہاؤس اس صوبے کے عوام کو کس بھاؤ پڑتا ہے؟ اور کیا یہ وقت کا تقاضا نہیں کہ ایسے تمام سرکاری محلات کو یونیورسٹیوں، کالجوں، حتیٰ کہ ہوٹلوں میں تبدیل کر دیا جائے؟ ان کے تعمیری اور مثبت مصرف کے بارے میں سوچا جائے اور ان کے ناقابل بیان عیاشانہ اخراجات کو ختم کر کے انہیں آمدنی کے ذرائع میں تبدیل کر کے اسی رقم کو عوامی فلاحی منصوبوں پر خرچ کیا جائے؟

کیا یہ ایک عین بنیادی، انسانی، اخلاقی اور سب سے بڑھ کر عین اسلامی مطالبہ نہیں؟ اور کیا اس مطالبے کے مان لئے جانے اور اس پر عمل درآمد کے لئے بھی کسی سپر پاور یا بین الاقوامی ایجنسی یا ادارے کا این او سی درکار ہے؟ یا بنیاد پرست قرار دے دے گا؟

اب ہم اپنے حکمرانوں، رہبروں اور قائدین کے یہ مغل بادشاہوں جیسے رویے برداشت نہیں کر سکتے، نہ ہی قومی وسائل کی اس تباہی پر مزید خاموش رہ سکتے ہیں، شاہانہ دوروں سے لے کر درباری مسخروں اور سرکاری چمچوں کے یہ

الے تللے ناقابل برداشت ہوچکے ہیں کہ اب ایک ایک پائی عوام کی فلاح و بہبود سے لے کر افواج کے استحکام پر خرچ کی جانی چاہئے اور اربوں روپے کے ناجائز اخراجات اور لوٹ مار کے راستے مسدود کئے جانے چاہئیں تاکہ پاکستان آبرومندانہ طریقے سے اکیسویں صدی کا استقبال کرسکے۔

خود کفالت ...... ہماری خودی اور خودداری کے لئے بنیادی شرط ہے اور خود ساختہ خداؤں، ان جدید بتوں کو پاش پاش کئے بغیر، اللہ کی حاکمیت کے عملی اعتراف کے بغیر ہم یہ ہدف حاصل نہیں کرسکتے۔ اگر ہم اپنی مدد کے لئے کھڑے نہیں ہوں گے تو کوئی ہماری مدد کے لئے نہیں آئے گا خواہ وہ کوئی سپرپاور ہو یا کوئی بین الاقوامی ادارہ۔

ماہرین کی رائے کے مطابق پاکستان کا پہلا پنچ سالہ منصوبہ آج تک کے ایسے تمام منصوبوں میں بہتر تھا کیونکہ یہی وہ واحد منصوبہ تھا جسے خالصتاً پاکستانیوں نے وضع کیا۔

کھیل کے دوران میں 21 سال کے دوران میں نے جو بنیادی سبق حاصل کیا وہ یہی تھا کہ خود اعتمادی اور احساس خودی و خودداری کے بغیر جیت ناممکن بات ہے۔

میں 70 اور 80 ء دونوں دہائیوں ٹیموں میں شامل تھا اس لئے ذاتی تجربے کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ 70 کی ٹیم صلاحیت، قابلیت اور مہارت غرضیکہ کسی اعتبار سے بھی کم نہ تھی لیکن 1970ء کی دہائی میں خود اعتمادی کی نسبتاً کمی تھی جبکہ 1980ء کے عشرے میں ٹیم ہرجگہ اس اعتماد سے اتری کہ ان سے برتر کوئی نہیں اور وہ کسی سے کمتر نہیں اور رویے کا یہی فرق نتائج میں فرق کا باعث بنا۔

عوام کے اندر اقتدار کی ٹیم (خواہ کوئی بھی ہو) میں شرکت اور شراکت کا احساس پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ آج تک انہیں محض تماشائیوں کے کردار تک محدود رکھا گیا ہے۔ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں بھی عوام میں حقیقی آزادی کی روح پھونکنا ہوگی، مساوات محمدی کا عملی مظاہرہ اور نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ ایک بار عدم انصاف اور استحصال کا خاتمہ ہوجائے تو عوام یہ ثابت کردیں گے کہ

"خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی"



مسلمانوں کی عظمت و سربلندی فقط ایک نظریہ کا کمال تھا۔ اللہ کے ایک ہونے کو تہہ دل سے حقیقی معنوں میں تسلیم کرنے اور عملاً بھی اس کا اعتراف کرنے کا اعجاز تھا انسان کی انسانی غلامی سے نجات ہی انسانیت کی نجات دہندہ ثابت ہوئی۔ یہ مساوات محمدی، عدل اور انصاف کی فتح تھی۔

عمران کے خسر گولڈ اسمتھ صیہونی ہیں

انہیں جمیمہ کے قبول اسلام سے زبردست صدمہ پہنچا ہے

حانقہ خان کے والد سر گولڈ اسمتھ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ شروع میں اپنی بیٹی کے اس فیصلے سے ناخوش تھے کہ وہ ایک 42 سالہ شخص سے شادی کر رہی ہے۔ وہ اس بات سے بھی خوش نہیں تھے کہ اس شادی کے لئے ان کی بیٹی اسلام قبول کرنے والی ہے۔ لیکن پھر مصلحت اور حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت انہوں نے اس شادی کی اجازت دے دی۔

گولڈ اسمتھ برطانیہ کے ساتویں امیر ترین شخص ہیں۔ ان کی دولت کا اندازہ ایک بلین ڈالر لگایا گیا ہے۔ انہیں، ان کی دولت کے علاوہ، ایک عاشق مزاج شخص کی حیثیت سے بھی جانا جاتا ہے۔ حانقہ کی ماں ان کی تیسری بیوی ہیں۔ اس کے علاوہ کھلے طور پر وہ مسٹریس رکھنے کے بھی قائل ہیں۔ اس وقت بھی پیرس کی ایک جرنلسٹ خاتون ان کی مسٹریس ہے۔

کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مسٹر گولڈ اسمتھ تاجر اور عاشق مزاج ہونے کے علاوہ سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کے سیاسی نظریات تیسری دنیا کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ اس امر کی بھی اطلاع کم ہی لوگوں کو ہے کہ عقیدتاً سر گولڈ اسمتھ پکے یہودی ہیں۔ وہ صیہونی بھی ہیں اور اسرائیل کے زبردست حامی ہیں۔ اب یہ بات بھی وضاحت طلب نہیں رہی کہ مذہبی یہودیوں کو اس شادی سے ناراضگی ہے۔ انہیں جمیمہ کے اسلام قبول کرلینے سے بھی صدمہ پہنچا ہے۔

مگر گولڈ اسمتھ کی مذہب سے گہری دلچسپی اکثر ان کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتی۔ ان کی خاندانی اقدار بھی یہودی روایات و عقائد سے میل نہیں کھاتیں۔ چنانچہ جمیمہ کی شادی میں نہ صرف ان کی بیوی لیڈی انابیل نے بلکہ ان کی فرانسیسی مسٹریس نے بھی شرکت کی تھی۔

گولڈ اسمتھ کے ایک صحافی دوست نے ایک بار لکھا تھا کہ دل سے وہ فرانسیسی ہیں۔ خود گولڈ اسمتھ کا کہنا ہے کہ انگریز انہیں نہیں سمجھتے۔ سچ یہ ہے کہ کھلے عام مسٹریس رکھنا برطانیہ میں انتہائی قابل اعتراض ہے جبکہ فرانس میں یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

سچ یہ ہے کہ گولڈ اسمتھ کو روایتی اخلاقیات سے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ لیڈی انابیل سے ان کا معاشقہ اس وقت شروع ہوا جبکہ وہ شادی شدہ تھے۔ انابیل سے ان کی شادی اس وقت ہوئی جب ان کی بچی جمیمہ پورے چار سال کی ہو چکی تھی۔ ایک بار انہوں نے ایک برطانوی سیاستداں سے کہا تھا کہ ان کی زندگی مسٹریس اور دوسروں کی بیویاں "چرانے" سے عبارت رہی ہے اور یہ سیاست کے لئے مناسب ہے۔

عمران کے پاکستانی شیدائیوں کو یہ جان کر مایوسی ہوگی کہ عمران کے خسر کے سیاسی خیالات تیسری دنیا بشمول پاکستان کے لئے کافی مہلک ہیں۔ ایک بار تو وہ برطانیہ میں پاکستان کی سستی مصنوعات کی درآمد کے خلاف باقاعدہ مہم چلا چکے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے دی ٹائمز میں ایک مضمون بھی لکھا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ کھلے مارکیٹ ہونے تو چاہئیں مگر ہم مساوات قوموں کے درمیان۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وہ برطانیہ اور یوروپی یونین کی مارکیٹ کو پاکستان اور تیسری دنیا کے لئے بند رکھنا چاہتے ہیں۔

گولڈ اسمتھ کھلی تجارت یونیورسل فری ٹریڈ اور گیٹ ایگری منٹ کے بھی

کیا جمیمہ مسلمانوں کے قاتل کی بھتیجی ہیں؟

عمران خان کو جمیمہ گولڈ اسمتھ سے شادی کرنے سے قبل اسلام سے اس کے خاندان کے رشتے کا مطالعہ ضرور کرلینا چاہئے تھا۔ اس کے خاندان میں ایک ایسا شخص بھی گزرا ہے جسے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کے "کارنامے" کی بنا پر قومی ہیرو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جمیمہ ستائیسویں پشت میں براہ راست طور پر کنگ جان کے خاندان سے جاملتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ کنگ جان کے بھائی رچرڈ دی لائین ہارٹیڈ (شیر دل) کی سگی بھتیجی ہوتی ہے۔ رچرڈ نے یروشلم پر از سر نو قبضہ کرنے کے لئے بارہویں صدی میں ہونے والی تیسری جنگ کی قیادت کی تھی لیکن یروشلم پر قبضہ کرنے میں وہ ناکام رہا، البتہ صلاح الدین ایوبی کے ایک بڑے فوجی دستے کا قتل عام کرنے میں ضرور کامیاب ہوگیا تھا۔

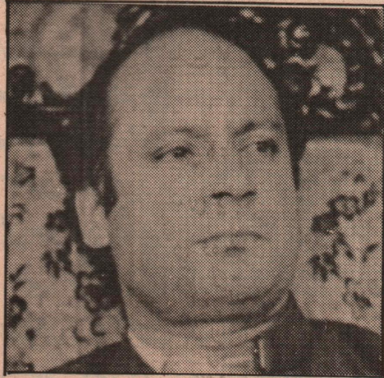


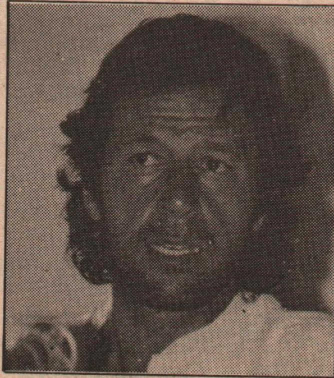
مخالف ہیں۔ اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار انہوں نے اپنی کتاب The Snare میں کیا ہے۔ اس کتاب نے ایک فرانسیسی سیاستداں فلپ ڈی ویلیر کو کافی متاثر کیا۔ چنانچہ 1992ء میں دونوں نے مل کر گیٹ ایگری منٹ کو ختم کرنے کی ایک زبردست مہم چلائی تھی۔ 1993ء کے فرانس کے انتخاب میں ان دونوں سیاستدانوں نے انتخاب میں حصہ لیا تھا اور انہیں 13 فیصد ووٹ ملے تھے۔ ڈی ویلیر فرینچ پارلیامنٹ کے اور گولڈ اسمتھ یوروپین پارلیامنٹ کے ممبر منتخب ہوئے۔ لیکن اس کے بعد دونوں کا اتحاد ٹوٹ گیا۔ ڈی ویلیر دراصل گولڈ اسمتھ کی صہیونیت اور حد سے بڑھی ہوئی اسرائیل نوازی کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ واضح رہے کہ گولڈ اسمتھ کے پاس دوہری شہریت ہے یعنی وہ برطانیہ کے ساتھ فرانس کے بھی شہری ہیں۔

وزارت عظمیٰ کی طرف عمران خان کے بڑھتے قدم

پاسباں کی قیادت اس راہ کا پہلا زینہ ہوسکتا ہے

جمیمہ گولڈ اسمتھ یا حائقہ خان سے عمران کی شادی کا اثر پاکستانی سیاست پر پڑا ہو یا نہ پڑا ہو لیکن کم از کم جماعت اسلامی پاکستان کے لئے یہ ایک مسئلہ ضرور بن گئی ہے۔ قاضی حسین احمد صاحب نے پہلی بار امیر جماعت منتخب ہونے کے بعد "پاسبان" نامی ایک سماجی تنظیم قائم کی تھی جس کا مقصد عوام کی خدمت کرنا تھا۔ اس سماجی تنظیم کی ذمہ داری انہوں نے اپنے معتمد الطاف شکور کے کاندھے پر ڈالی تھی جو اب تک اسے کامیابی سے نبھاتے رہے ہیں۔ لیکن عمران خان کی شادی کے مسئلے پر اس کے کارکنوں میں شدید اختلافات پیدا ہوگئے اور







نوبت پاسبان کی تقسیم تک پہنچ گئی۔

وسط مئی میں پاسباں کی لاہور برانچ کے ایک گروپ نے مرکزی قیادت یعنی قاضی حسین احمد اور الطاف شکور کے خلاف بغاوت کردی۔ اس کے بعد لاہور میں ایک کنونشن منعقد کرکے انہوں نے "پاسباں پارٹی" کے نام سے ایک نئی پارٹی بنالی۔ باغی کنونشن نے الطاف شکور کی جگہ جماعت اسلامی ہی کے ایک دوسرے سرگرم کارکن محمد علی درانی کو اپنا نیا صدر منتخب کرلیا۔

25 تاریخ کو پاسباں پارٹی نے اخباروں کے دفاتر کو ایک فیکس پیغام کے ذریعہ اطلاع دی کہ اسپین میں ہنی مون منارہے عمران خاں نے اس نئی پارٹی کی قیادت قبول کرلی ہے۔ ایک اسلام پسند جماعت کی قیادت قبول کرلینے کے بعد عمران کے تئیں ان کے اندرونی و باہری مخالفین کے تنقیدوں میں شاید مزید شدت آجائے۔

باغی کنونشن کے بارے میں الطاف شکور کا کہنا ہے کہ یہ غیر قانونی تھا اور اس نے جو نئے انتخابات کئے ہیں وہ بھی غلط ہیں۔ الطاف شکور نے مزید کہا کہ "ہم نے قاضی حسین احمد کی قیادت میں پاسباں تنظیم جماعت اسلامی کے ایک تتمہ کے طور پر قائم کی تھی جس کا مقصد عوام الناس کی سماجی خدمت انجام دینا تھا ...ب ...ے پسند افراد نے Hijack کرلیا ہے اور جنرلوں اور عاشق مزاجوں کو اس کی قیادت سونپنا چاہتے ہیں" الطاف شکور نے مزید کہا کہ پاسباں کا قیام جنرلوں وغیرہ کے لئے نہیں کیا گیا تھا۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ جلد ہی تنظیم کا ایک کنونشن بلاکر پاسباں سے غیر مطمئن لوگوں کو نکال باہر کیا جائے گا۔

لیکن غیر مطمئن عناصر نے الطاف شکور کے رد عمل کو تالاب میں بلبلہ سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ عمران ایک مقبول شخصیت ہیں۔ وطن واپسی کے بعد وہ ملک کا دورہ کرکے لوگوں کے اندر بیداری پیدا کرنے کے لئے مہم چلائیں گے"۔

جماعت اسلامی پاکستان وہاں کی تمام سیاسی جماعتوں میں سب سے زیادہ منظم اور نظم و قانون کی پابند جماعت ہے۔ لیکن حال ہی میں اس کے کارکنوں

کے مابین اختلافات پیدا ہوگئے ہیں۔ ان میں سے کچھ جماعت کے نظم کو بھی خیرباد کہہ کر نئی تنظیمیں قائم کر رہے ہیں۔ خاص طور سے عمران کی قیادت کے سوال پر پاسباں کئی حصوں میں بٹ گئی ہے جس سے جماعت کی قیادت کافی پریشان نظر آتی ہے۔

جماعت میں نظم و ضبط کے انتشار کی وجہ سے اس کی مرکزی شوریٰ کے بعض اراکین نے قاضی حسین احمد کی تنقید کی ہے۔ ان ناقدین کا کہنا ہے کہ قاضی صاحب نے ایک ایسا لائحہ عمل اختیار کیا ہے جو پارٹی کے اصولوں کے خلاف ہونے کے علاوہ اس کے مفادات و مقاصد سے بھی مطابقت نہیں رکھتے۔ لیکن خود قاضی حسین احمد اور جماعت کے دوسرے اہم ذمہ داروں نے پاسباں کے کئی گروپوں میں تقسیم ہونے پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا ہے۔

پاسباں کی لاہور اور کراچی برانچوں میں ہمیشہ اختلافات رہے ہیں۔ اسی طرح اس کے کارکنوں میں بھی ہمیشہ ایسے لوگ شامل رہے ہیں جو جماعت کی قیادت کے بجائے رٹائرڈ جنرل حمید گل اور عمران خان کے گرویدہ رہے ہیں۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ حمید گل ہی دراصل عمران کو پاکستان کے نئے "وزیراعظم" کی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں۔ حمید گل بے نظیر اور نواز شریف دونوں کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ ان کے مقابلے میں عمران خاں کو سیاسی منظرنامے پر لاکر پاکستان کو ایک نئی قیادت فراہم کی جائے۔

لیکن جماعت کے اکثر قائدین و کارکن حمید گل سے اب ناراض ہیں۔ ان کے بقول سابق جنرل باتیں زیادہ اور کام کم کرتے ہیں۔ "گفتار کے اس غازی" سے جماعت نے پاسباں میں پھوٹ پڑنے سے پہلے ہی علیحدگی اختیار کرلی تھی۔ لیکن اس کے باوجود حمید گل کے چاہنے والے پاسباں میں موجود ہیں اور اب انہیں عناصر نے عمران کی قیادت میں نئی پاسباں پارٹی بنالی ہے۔

اسلام کے دامن میں پناہ لینے والی

جمیمہ پہلی خاتون نہیں

لندن سے نتاشا نرائن

سیاہ روایتی برقعے میں ملبوس ھدی خطیب برطانیہ کے بازاروں میں کچھ اجنبی اجنبی سی لگتی ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ کہیں باہر سے آئی ہو وہ خود یہیں پلی بڑھی ہے انگریز نژاد ہے ہاں اس کے روایتی برقعے نے اسے اپنے ماحول سے مختلف شناخت عطا کردی ہے لیکن اب ملٹن کینس کے علاقے میں برقعے کی چلت پھرت رفتہ رفتہ مانوس ہوتی جارہی ہے۔

دس سال پہلے ھدی کا نام سمانتا ہوا کرتا تھا شوخ چنچل سی لڑکی لندن یونیورسٹی کی پہلے سال کی طالبہ ہوا کرتی تھی۔ وہ بلیک پول سے تعلیم کے لئے لندن آئی تھی لیکن عام طالبہ کی طرح اسے فاضل اوقات کے لئے کوئی اور مشغلہ نہ ملا۔ ہاں ملا تو اسلام۔ آخر ایسا کیوں ہوا خود ھدی کی زبانی سنئے:

وہ کہتی ہیں "میں رفتہ رفتہ اس مذہب کی طرف سے بددل ہونے لگی جس میں میری پرورش ہوئی تھی۔ عیسائیت میں شادی سے قبل جنسی تعلقات کے بارے میں رویہ خاصہ بدلتا رہا ہے آج جس چیز کو چرچ نے حرام قرار دیا کل اسے حلال کردیا ایسا لگتا تھا جیسے کوئی چیز مستحکم نہ ہو"۔

ھدی کو اسلام نے تحفظ کی ایسی دولت دی جو اب مغرب میں عیسائیت دینے سے قاصر ہے۔ اسلام میں آنے کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے میں اپنے گھر میں واپس آگئی ہوں۔

شروع شروع میں تو اس کے گھر والوں نے قبول اسلام پر بڑا واویلا مچایا لیکن رفتہ رفتہ انہوں نے اس صورت حال کو قبول کرلیا۔ اس نے ریجنٹ پارک کی مسجد میں ایک خاتون کے ہاتھوں اسلام قبول کیا، اور فوراً ہی پردے کے احکامات پر عمل شروع کردیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں اس لئے بھی سخت پردہ کرتی ہوں تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ میں ایک مومنہ ہوں اور میں دوسروں سے مختلف ہوں، پھر یہ کہ پردہ مجھے ایک وقار بھی عطا کرتا ہے۔



ھدی ایک انتہائی بااخلاق اور خاکسار خاتون کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں، اب ان کا جسم اور ان کے بال ہمیشہ ڈھکے ہوتے ہیں اور کبھی کبھی تو وہ چہرے کا پردہ کرنے سے بھی نہیں چوکتیں۔

ان کا کہنا ہے کہ اسلامی لباس عورت کو مقید نہیں کرتا بلکہ اسے آزادی عطا کرتا ہے ان کے الفاظ میں "مغرب میں آپ کی پرورش کچھ اس انداز سے ہوتی ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ پرکشش اور سیکسی دکھائی دیں، یہاں تک کہ اگر آپ کا

جسم خاص معیار کی ضمانت نہیں دیتا تو آپ کی قیمت بہت کم ہے۔ اب جب کہ میں اپنے جسم کو چھپائے رکھتی ہوں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ لوگ مجھے اب بروقت جنسی مال کی حیثیت سے نہیں دیکھ سکتے "

قبول اسلام کے دو سال بعد ھدی نے ایک شامی انجینئر سے شادی لی۔ اب ھدی اپنی عمر کے درمیانی سال میں ہے ان کے دو چھوٹے چھوٹے بیٹے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ بہت ہی خوش اور ہر طرح سے خود کو مکمل محسوس کرتی ہیں۔ جب ان سے ان کی پرانی سہیلیاں کہتی ہیں کہ مغربی خواتین آزاد اور مشرقی خواتین مظلوم ہیں تو ھدی کو بہت غصہ آتا ہے وہ کہتی ہیں " چند صدی پہلے عیسائی دنیا یہ طے نہیں کر پا رہی تھی کہ عورتوں کے پاس روح بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ مغرب میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق بھی چند دہائی پہلے مل سکا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی خواتین کو عہد وسطیٰ سے ہی اپنی جائداد رکھنے اور اپنے نام سے جانے جانے کا حق حاصل رہا ہے"۔

جہاں تک ممکن ہو پاتا ہے ملٹن کینس کے علاقے میں واقع اپنے فلیٹ میں ھدی پردے سے رہتی ہیں ان کا خیال ہے کہ مسلم خواتین اور مسلم مرد الگ الگ اپنی دنیا بنا سکتے ہیں۔

" میری ساری دوست اب خواتین ہیں صرف میں ہی نہیں میری طرح بہت سی انگریز خواتین بھی خواتین سے ہی رابطے میں عافیت محسوس کرتی ہیں ان کے شوہروں کی آپس میں دوستی ہوتی ہے اور خواتین اپنی دنیا میں الگ مگن ہوتی ہیں۔

ھدی کہتی ہیں کہ اسلام میں میں نے وہ سب کچھ پایا جو میں چاہتی تھی اسلام کے مقابلے میں آزادی نسواں کی تحریک عورت کو کچھ نہیں دیتی ہے لیکن اس کے برعکس صبار سادیں جو کلیمکس فاؤنڈیشن کی ڈائرکٹر ہیں اور جن کا کام مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان بہتر تعلقات کو فروغ دینا ہے کا کہنا ہے کہ میں اب تک اسلام کے ساتھ اپنے تصور آزادی کو پوری طرح مربوط نہیں کر پائی۔

اپنی عمر کی درمیانی حصے میں صبا دراصل ایک دہریہ خاتون تھیں انہوں نے اسلام کو پڑھا تو بہت تھا اس سے متاثر بھی تھیں لیکن جب ایک مسلم مرد کے ساتھ انہوں نے شادی کا فیصلہ کیا تو اس بات پر زور دیتی رہیں کہ اسلام سے ان کی وابستگی خالص دانشورانہ نوعیت کی ہے ان کا کہنا تھا کہ اسلام زندگی گزارنے کا ایک زیادہ بہتر نظام فراہم کرتا ہے بقول ان کے " میں نے اسلام کی دانشورانہ فکر سے خود کو بہت جلد قریب محسوس کیا، ہو سکتا ہے یہ بات آپ کو کچھ عجیب سی لگے اس لئے کہ ہمارے یہاں کا ذرائع ابلاغ اسلام کو ایک عقلی اور دانشورانہ نظام کی حیثیت سے پیش نہیں کرتا مگر حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں بہت کم ایسے سخت قوانین ہیں جن سے آپ خوف کھائیں۔ یہ صحیح ہے کہ اقدار کا ایک نظام موجود ہے البتہ یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اسے موجودہ صورتحال میں کس طرح سے برتنا مناسب سمجھتے ہیں "۔

صبا کہتی ہیں کہ اسلام کے بارے میں ہمارا تصور دراصل گمراہ کن پروپیگنڈے پر مبنی ہے۔ عام طور پر ہم پردہ اور دوسرے مذہبی مظاہر کو ایمان کا حصہ قرار دے لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلم دنیا مختلف قسم کی ثقافت پر مشتمل ہے۔ اگر ایک طرف بوسنیا اور فلسطین میں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ جہاد میں حصہ لے رہی ہیں تو دوسری طرف سعودی عرب میں مسلم خواتین کلی طور پر برقعے میں ملفوف ہیں۔

گو کہ صبا کو اس بات کا اقرار ہے کہ بعض مسلم ملکوں میں عورتوں کو دبایا گیا ہے لیکن اس بارے میں خود ان ملکوں کے اندر مسلم دانشور اور علماء اس صورت حال کو بدلنے کے لئے کوشاں ہیں۔

قرآن کا بنیادی پیغام عورت کو آزادی عطا کرتا ہے البتہ بعض مسلم معاشرے میں بعض ایسی چیزیں رواج پا گئی ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو قرآن کے بنیادی پیغام کے منافی ہیں۔ بے شمار مسلم خواتین آج خواتین سے متعلق قرآن کی اصل فکر کو عام کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔

اگر ایک طرف ھدی کو اسلام میں آکر ایک شناخت ملی اور صبا کو ایک منظم نظام حیات دکھائی دیا تو دوسری طرف سلیمہ کے لئے قبول اسلام کا محرک سیاسی تھا۔ سلیمہ ایک سیاہ فام برطانوی خاتون ہیں جنہوں نے ایک امریکی امام سے شادی کی ہے وہ 1966ء میں اپنے شوہر کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئیں جو امریکہ میں شہری حقوق کی تحریک کا دور کہا جاتا ہے۔ سیاہ فام مسلمانوں کے جلسے میں ان کی شرکت قبول اسلام کا سبب بنی، انہوں نے سیاہ فام کو یہ کہتے سنا کہ "ہم نے اب تک جو سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز سنی ہے وہ یہ کہ خدا ہر چیز کا خالق ہے " سیاہ فام مقرر کا کہنا تھا کہ میں یہ سن کر بہت متاثر ہوا اس لئے کہ اسکول میں ہم نے سفید نسل پرستوں کی لکھی ہوئی جو تاریخ پڑھی تھی اس سے اطمینان قلب حاصل نہ تھا۔ میرے اندر شدید احساس کمتری تھی۔

سلیمہ کے نزدیک خود مسیح کا یہ تصور کہ وہ ایک سفید فام انسان تھے جنہوں نے ہمارے گناہوں کے لئے اپنی قربانی دے دی۔ بنیادی طور پر ایک نسل پرستانہ خیال تھا۔ سلیمہ کہتی ہیں کہ میں اپنے سیاہ رنگ کی وجہ سے عیسائیت کے اندر اپنے لئے کوئی جگہ نہیں پاتی تھی البتہ اسلام میں ہمیں ایک عظیم مقام مل گیا۔ یہاں اللہ نہ تو سفید تھا اور نہ سیاہ۔ جب مجھے یہ پتہ چلا کہ اللہ کی دنیا میں سفید فام مخلوق سے بڑی بھی کوئی چیز ہے تو میں خوشیوں کے مارے پاگل ہو گئی وہ ان لمحات کو یاد کرتی ہے جب اس سے کسی نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص رنگ و نسل کی بنیاد پر افضل نہیں ہو سکتا، ہاں اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو متقی ہو۔ سلیمہ کہتی ہیں کہ مجھے یہ سب کچھ اتنا اچھا لگا کہ میں بیان نہیں کر سکتی ایسا لگا کہ جیسے میں آزاد ہو گئی ہوں میں نے اتنا بہتر پہلے کبھی بھی محسوس نہیں کیا تھا۔

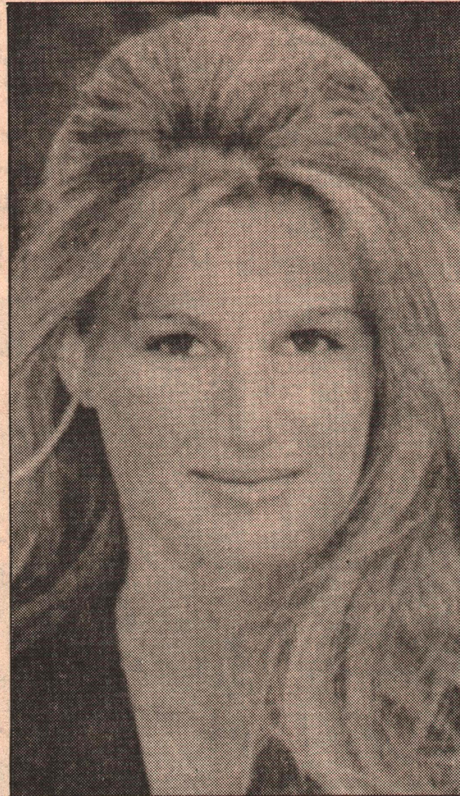
[redacted]

پیرس سے سوزان لاؤری

جب عمران کی ایک مذہبی تقریر نے جمیمہ کے دل میں اسلام کا بیج ڈال دیا

یہ بات شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ عمران خان سے جمیمہ کی شادی کے لئے واقعی محرک کیا تھا ابھی حال ہی میں پیرس سے نکلنے والے ایک رسالے Point de Vue نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے۔ رسالے نے اپنے چھ صفحات کی کہانی میں بعض دلچسپ حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔ واضح رہے کہ اس رسالے کی مالکہ عمران کے خسر کی داشتہ ہے اور اس اعتبار سے رسالے کی خبر کو محض سنسنی خیزی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

رسالے نے لکھا ہے کہ حائقہ خان کا دل جیتنے میں دراصل عمران خان کی ایک مذہبی تقریر کا اہم رول رہا ہے کوئی ایک سال پہلے کی بات ہے جب لندن میں ایک عشائیہ کے دوران تقریر کرتے ہوئے عمران خان نے اپنے ہاتھ بہ اعتماد انداز میں ہوا میں لہراتے ہوئے کہا تھا "مذہب وہ واحد ہتھیار ہے جس سے مادیت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے صرف مذہب ہی انسانیت کا غمخوار ہے خدا نے مجھے ہر چیز سے نوازا ہے اس لئے مجھ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں دوسرے انسانوں کے لئے جو کچھ ممکن ہو ضرور کروں۔" کہا جاتا ہے کہ جب عمران یہ الفاظ ادا کر رہے تھے اس وقت وہ انتہائی جذباتی ہوگئے اور ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ باتیں ان کے دل سے نکل رہی ہوں۔ وہیں اس عشائیے میں ٹیبل کے ایک کنارے ایک نوجوان انگریز خاتون یہ باتیں سن رہی تھی اسے ایسا لگا شاید اسے اب تک اس آدمی کی تلاش تھی اس کی خوبصورت آنکھوں میں ایک عجب چمک پیدا ہوئی اور وہ اپنے تصور میں خوبصورت خواب بننے لگی۔



یہی وہ خاتون تھی جس نے آج اپنا نام حائقہ خان رکھنا پسند کیا ہے۔ حائقہ کو ایسا لگا جیسے عمران کی باتیں اس کے دل میں اتر گئی ہوں۔ جیسے عمران کا درد اس کا اپنا درد ہو وہ خود بھی دولت سے تنگ آچکی تھی اور مادیت کی دنیا سے نکل کر روحانیت کی طرف سفر کے لئے بے تاب تھی۔ عمران کی گفتگو نے اسے گویا راستہ دکھا دیا تھا۔

کھانے کے بعد جمیمہ نے عمران سے ملاقات کی اور عمران کے روحانی خیالات کے بارے میں مزید تفصیلی گفتگو کرتی رہی۔ یہ دونوں بہت دیر تک نہ جانے کیا باتیں کرتے رہے ابھی اس عشائیے کو بہت زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ عمران نے اپنے والد کو ایک خط لکھا کہ "بالآخر مجھے ایک ایسی خاتون مل گئی ہے جس کے ساتھ میں ازدواجی زندگی شروع کر سکتا ہوں۔ میں پوری ایمانداری اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنے آپ کو اس کی طرف راغب پاتا ہوں" شاید یہ جمیمہ کی مادیت سے نفرت تھی یا ایک روحانی نظام کی تلاش جس نے بہت جلد اسے قبول اسلام پر آمادہ کر دیا۔

> وہیں ٹیبل کے ایک کنارے ایک نوجوان انگریز خاتون یہ باتیں سن رہی تھی اسے ایسا لگا شاید اسے اسی آدمی کی تلاش تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور وہ اپنے تصور میں خوبصورت خواب بننے لگی۔

"اس شادی سے نوجوانوں کے درمیان عمران کا اعتبار جاتا رہا ہے"

چند ماہ قبل شوکت خانم کینسر اسپتال کے افتتاح کے وقت عوام کے ایک زبردست ہجوم کے اصرار پر عمران خاں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ 1995ء ہی میں شادی کرلیں گے۔ انھوں نے عوام سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ لڑکی مسلمان ضرور ہوگی لیکن اس کی قومیت بتانے سے انکار کردیا تھا۔ نعرہ لگاتے ہوئے عوام سے انھوں نے گزارش کی تھی کہ انھیں ان کی پسند کی مسلمان لڑکی سے شادی کی اجازت دے دیں۔ جذباتی پرستاروں نے نعرہ لگا کر اس کی اجازت دے دی تھی۔

مگر آج جب عمران خاں نے جمیمہ یعنی حائقہ خان سے شادی رچالی ہے تو پاکستان کے عوام و خواص نے ملاجلا ردعمل ظاہر کیا ہے۔ عمران کے دوستوں اور رشتہ داروں اور بعض پرستاروں کو اس شادی سے جہاں خوشی ہوئی ہے وہیں ان کے بہت سے پرستاروں کے علاوہ بہت سی امیدوار دوشیزاؤں کو مایوسی بھی ہوئی ہے۔

ایک مشہور اسلامی اسکالر امین منہاس نے اس شادی کو قوم کے ساتھ ایک مذاق سے تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ کیا پاکستان کے بارہ کروڑ لوگوں میں اسے اپنے لائق کوئی لڑکی نظر نہیں آئی۔ اگرچہ عمران کا کہنا ہے کہ اس شادی پر واویلا بے معنی ہے کیونکہ اس نے ایک ایسی لڑکی سے شادی کی ہے جس نے یہودیت ترک کرکے اسلام قبول کرلیا ہے۔ بعض جذباتی پاکستانی نوجوان بھی اس دلیل سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مثلاً ایک مسجد کے باہر ظہر کی نماز کے بعد لوگ جب اس شادی پر تنقیدی تبصرے کر رہے تھے تو ایک نوجوان نے برافروختہ ہوکر کہا کہ عمران نے ایک یہودی کو مسلمان بناکر نیک کام کیا ہے۔ ایک دوسرے نوجوان نے کہا کہ اس سے اسلام کے پیغام کی اشاعت بھی ہوسکتی ہے۔

کراچی کے مشہور سماجی کارکن عبدالستار ایدھی نے اس شادی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ عوام کو اس سلسلے میں تنگ نظر نہیں ہونا چاہئے۔ پھر یہ کہ ہمیں کسی شخص کے بارے میں اس کے ذاتی اعمال کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس بنیاد پر کرنا چاہئے کہ وہ قوم اور ملک کے لئے کیا کر رہا ہے۔ جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل کا کہنا ہے کہ عمران کی قوم پرستی اور مذہب شبہے سے بالاتر ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے تو عمران نے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ عمران قومی ورثہ ہیں اس لئے انھیں عوام کی پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سینٹ جوزف کالج کے لڑکوں اور لڑکیوں کا ردعمل کسی حد تک عمران کے حق میں ہے۔ 18 سالہ عائشہ رحمان کا کہنا ہے کہ "ہم سب کے خیال میں یہ

پاکستانی عوام کا ردعمل

ٹھیک ہی ہے کہ بالآخر عمران نے شادی رچالی ہے۔ مجھے امید ہے یہ شادی کامیاب رہے گی۔ وہ پہلے بھی پاکستان کا ہیرو تھا اور آج بھی ہیرو ہی ہے"۔

لیکن کراچی کی ایک طالبہ 19 سالہ شگفتہ احمد بے انتہا ناراض ہیں۔ اپنی دوست طالبات سے گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ "یہ شادی ایک شرمناک واقعہ ہے۔ اس نے میرا دل توڑ دیا ہے"۔ انھوں نے مزید کہا کہ یہ ساری باتیں کہ وہ پاکستانی لڑکی سے شادی کرے گا فراڈ تھیں۔ شگفتہ نے دکھی دل سے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ اسے ہمیشہ ان لڑکیوں سے دلچسپی رہی ہے جو منی اسکرٹ پہنتی ہیں نہ کہ شلوار قمیص"۔

حقوق نسواں کی علمبردار ممتاز خاور بھی کافی ناراض ہیں۔ حال ہی میں

یہ شادی ایک شرمناک واقعہ ہے۔ اس نے میرا دل توڑا ہے۔ عمران کو ہمیشہ ان لڑکیوں سے دلچسپی رہی ہے جو منی اسکریٹ پہنتی ہیں نہ کہ شلوار قمیص

عمران نے اپنے ایک مضمون میں مغرب پرست افسران کا جہاں " براؤن صاحب " کہہ کر مذاق اڑایا تھا وہیں اس نے اپنے یہاں کی مغرب نواز خواتین کو آگاہ کیا تھا کہ وہ مغرب کے آزاد پسندانہ نظریات کو تج کر خاندانی زندگی اور اپنی اولاد کی تربیت پر توجہ دیں۔ خاور ممتاز چڑھ کر کہتی ہیں: "کاش اس نے ماضی میں کام کرنے والی خواتین کے خلاف لکچر نہ دیا ہوتا۔ وہ خود تو انگلینڈ میں انگریز خواتین سے عشق لڑاتا ہے اور یہاں اپنی پاکی داماں کے گن گاتا ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ اپنی نئی نویلی بیوی کو گھر میں بند رکھے گا اور اس سے بچے پیدا کروائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اسے قبول کرتی ہے یا نہیں"۔

پاکستان کے سابق کپتان آصف اقبال نے کہا کہ انھیں تعجب ہوتا اگر

عمران خود تو انگلینڈ میں انگریز خواتین سے عشق لڑاتا ہے اور یہاں اپنی پاکی داماں کے گن گاتا ہے۔

، عمران پاکستان میں شادی کرتا۔ سرفراز نواز، جو بے نظیر حکومت میں کھیل کے مشیر ہیں، نے کہا کہ یہ یہود و نصاریٰ کی ایک سازش ہے۔ بے نظیر کے بھائی، جو اپنی بہن کے سیاسی مخالف ہیں، نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "یہ عمران کا ذاتی معاملہ ہے"۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں نے خود ایک لبنانی لڑکی سے شادی کی ہے لیکن میں عمران کی طرح دوسروں کو اس کے برعکس نصیحتیں نہیں کرتا۔

جماعت اسلامی کے نائب امیر پروفیسر غفور احمد نے عمران کو ان کی شادی پر مبارکباد دی۔ لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "شاید یہ شادی کامیاب نہ ہو۔ کیونکہ دونوں کی عمر میں کافی فرق ہے۔ پھر ثقافتی اختلاف کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ جمیمہ نے اسلام سوچ سمجھ کر نہیں بلکہ اس شادی کے لئے قبول کیا ہے، اسے پاکستانی تہذیب میں رچنے بسنے میں زحمت ہوگی۔ وہ یہاں اجنبیت محسوس کرے گی"۔ پروفیسر غفور نے مزید کہا کہ اس شادی کے بعد نوجوانوں کے دلوں سے عمران کا اعتبار جاتا رہا ہے جبکہ یہی نوجوان اس کے سب سے زبردست حامی تھے۔

نوجوان اور عام آدمی واقعی عمران کی شادی سے ناخوش ہیں۔ ایک 22 سالہ طالب علم یحییٰ نے مایوسی سے کہا کہ میں نے عمران کی نصیحت سن کر جینس اور ٹی شرٹ پہننا چھوڑ دیا تھا۔ ایک دوسرے طالب علم فاروق نے کہا کہ اس نے بھی عمران کی تقریریں سن کر اسلامی روایات کا لحاظ کرنا اور پارٹیاں دینا چھوڑ دیا تھا۔ "مگر اب اس نے" فاروق نے کہا "ایک یہودی لڑکی سے انگلینڈ میں شادی رچالی ہے جبکہ ملک میں اس کے برعکس مغرب مخالف تقریریں کرتا رہا ہے۔ یہ سراسر مکاری ہے"۔

ایک تاجر محمد ابراہیم نے اس شادی پر یوں تبصرہ کیا۔ "یہ دیکھنے کے بعد کہ عمران نے اپنی زندگی امیر و غریب کا فرق مٹانے اور فلاحی کاموں کے لئے وقف کردی ہے، لوگوں کو یہ امید تھی کہ وہ قومی سطح پر کوئی بڑا رول ادا کرسکتا ہے۔ لیکن اس شادی سے اس نے اپنا پہلے والا گھٹیا پن پوری طرح ثابت کردیا ہے جو ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس نے بین الاقوامی سطح پر ہماری امیج کو نقصان پہنچایا ہے"۔



عمران خان؛ پاکستانی عوام کے درمیان

ایک سرکاری دفتر میں کام کرنے والے عطاء الرحمن نے کہا کہ ان غریب لوگوں کا دل رکھنے کے لئے جنھوں نے عمران کے اسپتال کے لئے دل کھول کر چندہ دیا تھا، اسے کسی ایسی غیر لڑکی سے شادی کرنی چاہئے تھی جس کی جہیز کی کمی کی وجہ سے شادی نہیں ہو پارہی ہے۔ بہت سے دوسرے نوجوانوں کا بھی یہی خیال تھا کہ عمران کو کسی غریب لڑکی سے شادی کرنی چاہئے تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام آدمی جو اپنے سیاستدانوں سے پہلے ہی مایوس تھا اب اس عمران سے بھی مایوس ہو چلا ہے جسے وہ اپنے درد کا درماں اور مسیحا سمجھنے لگا تھا۔

میں نے بہت سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہے

جمیمہ گولڈ اسمتھ کے قلم سے

پریس مجھے ایک 21 سالہ بیوقوف اور ایسی دیوانہ لڑکی کے طور پر پیش کرتا ہے جس نے انجام کار کو سوچے بغیر ایک عجلت پسندانہ فیصلہ کرلیا ہے۔ اور اس طرح خود کو پورے طور سے ایک نہ ختم ہونے والی تنہائی، مصیبت اور غلامانہ زندگی کے حوالے کردیا ہے۔

اگرچہ مجھے یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ میں ایک پردے میں بند اور قابل رحم حائقہ خان کے مختلف تحریری خاکوں سے گویا لطف اندوز ہوئی ہوں جیسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت ذرا مختلف ہے۔ عام خیال کے برعکس اسلام قبول کرنے کا میرا فیصلہ پورے طور سے میری اپنی پسند کا نتیجہ ہے اور کسی بھی طرح عاجلانہ نہیں ہے۔



اگرچہ قبول اسلام کا فعل تعجب خیز طور سے بہت تیز ہے یعنی زبان سے لب پر ادا کرنا کہ "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" لیکن اس کی تیاری کا مرحلہ لازمی طور پر تیز رفتار نہیں ہے۔

میرے اپنے معاملے میں یہ گذشتہ جولائی میں شروع ہوا حالانکہ تبدیلی مذہب کا کام فی الواقع فروری میں ہوا۔ یعنی پیرس میں میرے نکاح سے تین ماہ پہلے۔ اس وقفے میں میں نے قرآن مجید کے علاوہ بعض اسلامی اسکالر مثلاً گائی ایٹن، بوسنیائی صدر عزت علی بیگووچ اور محمد اسد کی کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اس طرح مجھے اپنا فیصلہ لینے سے پہلے کافی وقت ملا۔ جو کچھ علمی تجسس کے طور پر شروع ہوا تھا وہ اس آفاقی اور دائمی سچ کے عرفان پر منتج ہوا جسے اسلام کہتے ہیں۔

ایک ہفتہ قبل (اپریل کا آخری ہفتہ) دیے گئے بیان میں میں نے خاص طور سے اس نکتے پر زور دیا تھا کہ میں نے اسلام بالکلیہ اپنے یقین و ایمان سے قبول کیا ہے۔ اس بات کی اہمیت کو پریس نے بالعموم نظرانداز کردیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بہتوں کے گمان کے برعکس میری شادی کے لئے تبدیلی مذہب شرط نہیں تھی۔ یہ بالکل میرا اپنا انتخاب تھا۔ اسلام کے مطابق میرے لئے شادی سے پہلے اسلام قبول کرنا ہرگز ضروری نہیں تھا۔ قرآن میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک مسلمان کو کتابیہ یعنی کسی عیسائی یا یہودی لڑکی سے شادی کی اجازت ہے۔ بلاشبہ سنت۔ جو پیغمبر کی زندگی سے بحث کرتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے خود اپنی زندگی میں ایک عیسائی اور ایک یہودی سے شادی کی تھی۔

میرا یقین ہے کہ میری شادی اور تبدیلی مذہب کے تئیں لوگوں کی مخالفت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک اجنبی کلچر اور مذہب (اسلام) کے بارے میں یہاں بڑے پیمانے پر غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ مغرب کے تصور اسلام اور حقیقی اسلام میں بڑا فرق ہے بلکہ بعض معاملات میں براہ راست قرآن و سنت پر مبنی اسلام اور مسلم سماج میں پائے جانے والے اسلام کے مابین کافی اہم فرق پایا جاتا ہے۔

گذشتہ سال تین مختلف مواقع پر مجھے پاکستان جانے اور اسلام کے عائلی نظام یا خاندانی زندگی کا عملاً مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ اس طرح میں خود کو کسی حد تک اس بات کا اہل محسوس کرتی ہوں کہ مذہب اسلام میں عورت کے اصلی رول اور حیثیت کے بارے میں کوئی حتمی بات کہہ سکوں۔ ہوسکتا ہے بعض لوگ اسے مدافعت پسندی کہیں لیکن میں اس امر کی نشاندہی کرنا چاہوں گی کہ اسلام وہ مذہب نہیں ہے جو گھروں میں عورت کو دبا کر رکھتا ہو لیکن مرد کو اس کی بہ نسبت آمریت کے مرتبے پر بٹھاتا ہو۔ مجھے خود اس بات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا جب میں لاہور میں عمران کی بہنوں سے ملی، یہ انتہائی تعلیم یافتہ ملازمت پیشہ خواتین ہیں۔

عمران کی سب سے بڑی بہن، روبینہ، لندن اسکول آف اکنامکس کی سابق

جمیمہ نے ایک پاکستانی شوہر کا انتخاب کیوں کیا

جمیمہ جس کی پرورش و پرداخت انگلینڈ کے انتہائی دولت مند گھرانے میں ہوئی اور جس کی زندگی میں رنگ و نور کی محفلوں کی کوئی کمی نہ تھی، جس کی شام بہترین قہوہ خانوں میں گزرتی اور جسے دنیا کی ساری چیز حاصل تھی، آخر اس نے ایک پاکستانی شوہر کا انتخاب کیوں کیا؟ مغرب کے انتہائی دولت مند معاشرے کو چھوڑ کر پاکستان کے ایک شہر میں رہنے کے لئے وہ اپنے آپ کو کیوں تیار کر رہی ہے؟ ایسا بھی نہیں کہ جمیمہ نے سنیاس لے لیا ہو یا اس کا دل مادی زندگی سے بالکل اچاٹ ہوگیا ہو اور وہ بقیہ زندگی کسی پہاڑ کی چوٹی پر گزارنا چاہتی ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ جمیمہ کے والدین کی گھریلو زندگی رنگ و نور کے باوجود اتنی بے رونق تھی کہ جمیمہ نے ایک دور کے مسلم معاشرے کا گھریلو سکون حاصل کرنے کو ترجیح دیا۔ اسے اس بات کا خوب احساس ہے کہ اتنی بہت سی دولت بہت سی پارٹیوں اور رقص و سرور کی محفلوں کے باوجود وہ گھریلو مسرت سے محروم رہی ہے جسے اب وہ ہر قیمت پر ایک پاکستانی شوہر کے ساتھ حاصل کرنا چاہتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سکون کی متلاشی جمیمہ انتہائی بددماغ واقع ہوئی ہے اس نے گذشتہ دنوں اپنے ایک سابق بوائے فرینڈ کو کار سے دھکے دے کر اتار دیا تھا اس نے گاڑی روکی پہلے اسے دھکا دیا پھر اس کا سوٹ کیس باہر پھینکا اور برق رفتاری سے گاڑی چلاتی ہوئی گزر گئی۔ جمیمہ کو اپنی والدہ کی طرح مغرب کے مردوں کا خوب خوب تجربہ ہے جو سب کچھ دے سکتے ہیں لیکن سچی خوشی نہیں دے سکتے۔

جمیمہ کی والدہ مارکوس کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور اپنے عہد کی قتالہ کہی جاتی تھیں۔ اس نے مارک برلی سے شادی کی جس سے تین بچے ہوئے لیکن اس کے بعد وہ گولڈ اسمتھ کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ گولڈ اسمتھ کی ایما پر جبکہ وہ اپنے سابق شوہر کی بیوی بھی تھی اس نے گولڈ اسمتھ کے دو بچوں کو جنم دیا۔ بالآخر پرانے شوہر سے اس کا تعلق ختم ہوگیا اور اس نے گولڈ اسمتھ سے باضابطہ شادی کرلی۔ شادی کرتے وقت اسے اپنی تہذیب کا یہ معروف جملہ یاد آیا " اگر کوئی داشتہ اپنے عاشق سے شادی کرلے تو گویا وہ ایک نئی داشتہ کے لئے دروازہ کھول دیتی ہے " اور پھر وہی ہوا۔ گولڈ اسمتھ ایک دوسری داشتہ لے آئے۔ خود گولڈ اسمتھ کی پہلے سے بھی ایک بیوی موجود تھی۔ اور وہ خود بھی آج اپنے گھر میں برملا کہا کرتے ہیں کہ میں کوئی چیز چھپاتا نہیں۔ جس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ گھر والے ان کی بے راہ روی پر اعتراض نہ کریں۔

گو کہ جمیمہ ایک ایسے گھر میں پیدا ہوئی جہاں تہذیبی اقدار کی کوئی قدر نہ تھی۔ باپ کسی پر عاشق تو ماں کسی پر فدا۔ باپ کی سابقہ بیویاں اور ماں کے سابقہ شوہروں اور دوستوں کی ایک طویل قطار۔ پھر یہ کہ اسے گھر کی واقعی کبھی بھی نہ مل سکی کہ اس کا باپ زیادہ تر اپنی داشتہ کے ساتھ پیرس میں وقت گزارتا۔ لندن کا گھر کبھی کبھی ہی جمیمہ کے باپ کی صورت دیکھ پاتا شاید یہی سب کچھ سوچ کر جمیمہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسا گھر بسائیں جس کو ثبات ہو اور ایک ایسے معاشرے میں چل کر رہا جائے جہاں مرد اور عورت کو شادی کے مقدس رشتوں کا احساس ہو اور معاشرے میں خاندان کو تقدس کا درجہ حاصل ہو۔ جمیمہ نے اپنے پاکستان کے ہر سفر پر یہ محسوس کیا کہ غربت اور افلاس کے باوجود پاکستان کا یہ معاشرہ اسے خوشیوں سے بھرا ایک چھوٹا سا گھر دے سکتا ہے۔

....

جمیمہ گولڈ اسمتھ اپنی سہیلیوں کے ساتھ

طالب علم ہیں اور نیویارک میں اقوام متحدہ کے ایک اعلیٰ عہدے پر کام کر رہی ہیں۔ دوسری بہن علیمہ ایم بی اے ہیں اور کامیابی سے تجارت کر رہی ہیں۔ تیسری بہن عظمیٰ ایک ماہر سرجن ہیں جو لاہور کے ایک اسپتال میں کام کر رہی ہیں اور آخری بہن رانی یونیورسٹی کی سند یافتہ ہیں جو " خیراتی کاموں " کا انتظام و انصرام کر رہی ہیں۔

ان خواتین کو زنجیروں میں بندھی ہوئی خواتین کے طور پر نہیں دیکھا

میری شادی کے لئے تبدیلی مذہب شرط نہیں تھی۔ یہ بالکل میرا اپنا انتخاب تھا۔ اسلام کے مطابق میرے لئے شادی سے پہلے اسلام قبول کرنا ہرگز ضروری نہیں تھا۔ قرآن میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک مسلمان کو کتابیہ یعنی کسی عیسائی یا یہودی لڑکی سے شادی کی اجازت ہے

جاسکتا جن پر ان کے شوہر حاوی ہیں۔ یہ مضبوط ذہن کی آزاد خواتین ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مذہب اور خاندانوں سے پوری طرح وابستہ ہیں۔ اس طرح میں یہ دیکھ سکی کہ کس طرح اسلام خاندان کے بنیادی تصور کو، اس کی خاتون ممبران کو غلام بنائے بغیر، فروغ دیتا ہے۔ پھر بھی مجھے اس بات کا پورا علم ہے کہ اسلامی سماج میں بسا اوقات عورتیں ستائی جاتی اور ان کا استحصال کیا جاتا ہے جیسا کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی ہوتا ہے۔

اخبارات میں شائع ہونے والے بعض مضامین سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ مغربی خاتون کی خوشی جھلکتے لباسوں، شراب اور نائٹ کلبوں تک اس کی رسائی پر منحصر ہے۔ اور اسلامی سماج میں ایسی ظاہری آزادی اور آسائشوں کی عدم موجودگی کو عورتوں کے بنیادی حقوق کی تنسیخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن، جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، ایسی سطحی باتوں کا سچی خوشی سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔

مزید براں، مغربی دنیا کے اس کلچر کی تحقیر کے کسی ارادے کے بغیر، جس میں کہ میں پیدا ہوئی تھی، میں پوری خوشی سے ان عارضی خوشیوں سے دستبردار ہوجانا چاہتی ہوں جو شراب اور نائٹ کلبوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور جہاں تک ان کپڑوں کا تعلق ہے جنہیں میں اب زیب تن کرنے والی ہوں تو میرے نزدیک روایتی شلوار قمیص جسے اکثر پاکستانی خواتین پہنتی ہیں، میرے وارڈ روب میں موجود کسی بھی لباس سے زیادہ نفیس و شائستہ اور نسوانی ہے۔

آخری بات یہ کہ میری شادی کی کامیابی کے امکانات کے بارے میں گمان و اندیشہ بے کار ہے۔ جیسا کہ عمران کے والد سے یہ بات منسوب کی گئی ہے، شادی فی الحقیقت ایک جوا ہے۔ تاہم جب میں دیکھتی ہوں کہ امریکی و یوروپی سماج کی بہ نسبت خاندانی زندگی پر مبنی (اسلامی) سماج میں طلاق کی شرح بہت کم ہے تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری شادی کی کامیابی کے امکانات کم کیوں ہوں گے۔ خاص طور سے اس صورت کی بہ نسبت جب میں نے کسی مغربی شخص سے شادی کی ہوتی۔

ایک بالکل نئے اور مختلف کلچر سے خود کو مطابق کرنے کے عظیم یا مشکل کام سے میں بخوبی واقف ہوں۔ لیکن اپنے شوہر کی محبت اور اس کے خاندان کے تعاون سے میں اس چیلنج کو خوش دلی سے قبول کرتی ہوں اور اس ضمن میں مجھے لوگوں سے بھی نیک خواہشات کی امید ہے۔

میں بہتوں کے مخلصانہ تعلق خاطر کی قدر کرتی ہوں لیکن اسی کے ساتھ مجھے یہ اعتراف بھی کرنا چاہئے کہ اس سارے ہیجان و واویلا پر مجھے سخت تعجب ہے۔

میں نے جمیمہ سے نہیں حائقہ سے شادی کی ہے

عمران خان کی تحریر

پچھلے برس 29 دسمبر کو "یوم عوام" کے موقع پر ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے میں نے ان کے ساتھ 1995ء میں شادی کا وعدہ کرتے ہوئے ایک وعدہ ان سے بھی لیا تھا کہ وہ میری پسند پر کوئی سوال نہیں اٹھائیں گے۔ وجہ یہ تھی کہ میں بخوبی جانتا تھا کہ جہاں بھی شادی کروں گا کچھ نہ کچھ مخالفت ضرور ہوگی لیکن میری سیدھی سادی شادی ایک منصوبے کے تحت اتنی متنازعہ بنا دی جائے گی، میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

میں کسی فرد یا ادارے کو اپنی شادی جیسے انتہائی نجی اور ذاتی معاملے پر جواب دہ نہیں ہوں لیکن ان لوگوں کو وضاحت پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میں کچھ مخصوص حلقوں کے مخصوص ایجنٹوں کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا لیکن ان لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کے دل دکھائے گئے ہیں اور جو میری کردار کشی پر مجھ سے زیادہ پریشان ہیں۔ گذشتہ چند دنوں میں مجھ پر جتنے حملے کئے گئے ان میں سرفہرست الزام دوغلے پن کا تھا۔ منطق یہ پیش کی گئی



عمران اپنی والدہ کی گود میں

کہ میرے قول و فعل میں تضاد تھا کیونکہ میں نے مغرب پر اور براؤن صاحب پر تنقید کی اور پھر شادی کے لئے ایک انگریز لڑکی کا انتخاب کرلیا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے مغرب کو کبھی اپنے موجودہ انحطاط اور حالات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ میرے مضامین کو بغور پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ خود اپنے آپ کو اس بات پر موردالزام ٹھہرایا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو استعمال ہونے کے لئے مغرب کے رحم و کرم پر چھوڑ رکھا ہے۔ آزادی سے لے کر آج تک خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے بجائے ہم نے ہمیشہ غیر ملکی امداد اور قرضوں پر انحصار کیا اور نتیجے کے طور پر اپنی آزادی اور خود مختاری کو خطرے سے دوچار کرلیا۔

میں آج بھی براؤن صاحب کا ناقد ہوں اور اس "براؤن صاحب کلچر" کا شدید ترین مخالف ہوں کیونکہ "براؤن صاحبان" استعمار کے عہد کی یادگار اور پیداوار ہیں۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جب یورپین ممالک نے مسلمان ملکوں کو تاخت و تاراج کیا تو ایک سازش کے تحت یہ "پنیری" پیدا کی گئی تھی۔ جی۔ ایچ جینسن اپنی کتاب میلیٹنٹ اسلام میں اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ فرانسیسیوں نے الجزائر اور مراکش اطالویوں نے لیبیا ولندیزیوں نے انڈونیشیا اور برطانویوں نے مصر اور ہندوستان پر قبضہ کے بعد ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ان ملکوں کے تعلیمی نظام پر کاری ضرب لگائی اور اس کی جگہ اپنا مخصوص اور محدود تعلیمی نظام نافذ کردیا۔ وہ عوام کو تعلیم دینے کی بجائے اسے ایک "مخصوص اور محدود" اقلیت تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ اس نوآبادیاتی نظام تعلیم کا بنیادی ہدف ایک ایسی اشرافیہ کو جنم دینا تھا جو دیکھنے میں تو مقامی نظر آئے لیکن باقی ہر اعتبار سے مغربی ہو۔ یہی وہ اقلیت ہے۔ جو بالاخران کی حلیف اور آلہ کار ثابت ہوئی۔ ثقافتی طور پر بے چہرہ براؤن صاحبان پر مشتمل اس اقلیت کی اتنی بھرپور برین واشنگ کی گئی کہ یہ اپنے لہو ہوتے ہوئے بھی اپنے نہیں رہے۔ یہ اپنی ثقافت کو پسماندہ سمجھتے ہوئے اس بارے میں احساس کمتری کا شکار ہوگئے اور یہی وہ طبقہ تھا جو آزادی کے بعد بھی اپنے عوام کی بجائے ان کے مخالفین کے ساتھ کھڑا رہا اور آج تک ان کا حلیف بنا ہوا ہے اور ہر اس شخص کا دشمن ہے جو انہیں بے نقاب کرتا ہے۔

اسلام ...... حقارت سے نہیں دیکھتا

اسلام ...... انسان کو مسترد نہیں کرتا

اسلام ...... انسان کی مذمت نہیں کرتا

اسلام ...... ایک مخصوص رویے، انداز اطوار، فکر اور عمل کی مذمت کرتے ہوئے اسے مسترد کرتا ہے اور کالے گورے، رنگ و نسل، ذات برادری سے ماورا ہو کر انسان کو ایک خاص کسوٹی پر پرکھنے کا معیار مہیا کرتا ہے۔



مغربی لڑکی سے شادی کرنا میرا کمپلکس ہوتا تو میں کب کا کرچکا ہوتا۔ دنیا جانتی ہے کہ جب میں اپنے کرکٹ کیریر کے عروج پر تھا، نوجوان تھا تو یوروپ کے بڑے سے بڑے گھرانے کی خواتین تب آج سے بھی زیادہ میری طرف متوجہ تھیں لیکن سچ یہی ہے کہ جس قسم کی شخصیت کی مجھے تلاش تھی کہیں دکھائی نہیں دی۔

میں کسی خاص قوم یا کلچر کے خلاف نہیں لیکن اپنی قوم اور کلچر پر فخر کرنے کی بات کرتا رہتا ہوں اور اگر کوئی بھی اپنے گزشتہ رویے ترک کرکے اسلام کی آفاقی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس دین فطرت کو قبول کرے تو اسے خوش دلی سے قبول کرنا سنت سمجھتا ہوں۔ میرا بدترین دشمن بھی اسلام قبول کرلے تو میں اسے گلے لگاؤں گا کہ نو مسلم تو ایک نوزائیدہ بچے کی طرح گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔

مجھ پر دوغلے پن یا تضادات کا شکار ہونے کا الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

انگریز عورت سے شادی کو دوغلا پن کون کہتا ہے؟

کیا میں نے جمیمہ کا مذہب اپنایا یا اس نے میرے آقا کا دین قبول کیا۔؟

کیا میں نے مغرب کا کلچر اپنایا یا جمیمہ نے پاکستانی کلچر کو

دیکھ پرکھنے کے بعد اسے اپنانے کا فیصلہ کیا؟

کیا میں نے انگلینڈ شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا یا جمیمہ نے پاکستان منتقل ہونے کا فیصلہ کیا؟

مجھ پر دوغلے پن کا الزام لگانے والے نیک نیتی سے غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ اس الزام کے برعکس میں نے تو جو کچھ کہا تھا، اسی پر عمل بھی کیا؟

کیا ایک مخصوص لابی کے لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ میں نے جمیمہ سے نہیں ...... حائقہ سے شادی کی ہے جسے دین اسلام قبول کرنے کے فیصلے پر فخر ہے جس نے میرے شانہ بشانہ دکھی اور محروم انسانیت کی خدمت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

میں اس کا ممنون ہوں، اس کی عزت کرتا ہوں جس نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر، طویل تقابلی جائزہ کے بعد ...... سچ کو اپنایا اپنا مذہب چھوڑا اور اسلام کو گلے لگایا۔

اپنا ملک چھوڑ کر پاکستان میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی ثقافت ترک کرکے ہماری ثقافت میں رچ بس جانے کا عزم کیا جس نے باطل کی نفی کی اور حق کو تسلیم کیا۔

اس میں تضاد کہاں ہے؟

مغربی لڑکی سے شادی کرنا میرا کمپلکس ہوتا تو میں کب کا کرچکا ہوتا۔ دنیا جانتی ہے کہ جب میں اپنے کرکٹ کیریر کے عروج پر تھا، نوجوان تھا تو یورپ کے بڑے سے بڑے گھرانے کی خواتین تب آج سے بھی زیادہ میری طرف متوجہ تھیں لیکن سچ یہی ہے کہ جس قسم کی شخصیت کی مجھے تلاش تھی کہیں دکھائی نہیں دی۔

حضرت علی کا قول ہے کہ "میں نے اللہ کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا"۔

میں پاکستانی لڑکی سے ہی شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے نہیں کہ میں غیر پاکستانی کو انسان نہیں سمجھتا تھا بلکہ اس لئے کہ ایک جیسا پس منظر ہو تو ازدواجی زندگی میں آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ میری اور میرے اہل خانہ کی تمام تر منصوبہ بندیوں کے باوجود ہونا وہی تھا جو میرے اللہ کو منظور تھا اور جو میرے خدا کو منظور ہو۔ وہی میں اپنے لئے بہتر سمجھتا ہوں۔

یہ محض ایک اتفاق تھا کہ جو لڑکی مجھے اپنی اقدار، معیار، ویژن اور خوابوں کے قریب تر محسوس ہوئی وہ ایک انگریز تھی اور مجھے ملنے سے پہلے دین اسلام کے بارے میں متجسس تھی ......"

اگر میرا فیصلہ، اللہ، اسلام، قرآن اور سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے درست ہے۔ اور اگر میرے والد اور بہنیں خوش ہیں اگر میں خوش ہوں تو مجھ سے محبت کرنے والوں کو مخصوص لابی کے پروپیگنڈے سے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ مجھے مغربی پریس کی طرف سے تو اپنی کردار کشی کا اندازہ تھا کیونکہ ان میں سے اکثر انتہائی متعصب ہیں اور میرے ہاتھوں پے در پے شکستوں پر اکثر میرے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال بال بگاڑنے والے مسئلہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے سو جب انہوں نے میری کردار کشی کی۔ مجھ پر کیچڑ اچھالا، سنسنی خیز کہانیاں گھڑیں، گڑے مردے اکھاڑے تو مجھے قطعاً حیرت نہیں ہوئی بلکہ میں مغربی میڈیا کے کھسیانے پن، جھنجھلاہٹ اور غصے سے حظ اٹھاتا رہا اور ان کی اس نام نہاد "آزادی رائے" پر مسکراتا رہا۔

ان کی بے بسی قابل دید تھی کہ وہ جس مذہب اور ملک کو غیر مہذب اور پسماندہ سمجھتے اور لکھتے تھے، اسی مذہب کو ان کی سوسائٹی کی اشرافیہ کی ایک منفرد و ممتاز لڑکی نے نہ صرف قبول کرلیا تھا بلکہ تمام تر دباؤ کے باوجود اس پر سختی سے کاربند اور ڈٹی ہوئی تھی اور نہ صرف یہ کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی بلکہ اس نے "مغرب" کو ترک کرکے ایک مسلمان مشرقی ملک میں سکونت کا فیصلہ بھی کرلیا۔ وہاں تو مجھے ایسے "ولن" کے طور پر پینٹ کیا ہی جانا تھا جس نے ایک کو مذہب اور معاشرت تبدیل کرنے پر قائل یا آمادہ کرلیا لیکن میری حیرت کا باعث پاکستانی پریس کا ایک مخصوص حلقہ ہے جس نے اس واقعہ پر خوش ہونے اور

اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ میں "سیاستداں" نہیں ہوں کیونکہ اگر مجھے "ووٹ بنک" جیسی منافقانہ ضرورت محسوس ہوتی تو شاید میں یہ قدم نہ اٹھاتا۔

اس پر فخر کرنے کی بجائے اسے منفی رنگ دے کر اسکینڈلائز کرنے کی کوشش کی اور اسے مہران بنک اور کوآپریٹوز سے بھی بڑا اسکینڈل ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔

اور کچھ ہو تو ہو کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ایک بات ثابت ہوتی ہے کہ میں "سیاستداں" نہیں ہوں کیونکہ اگر مجھے "ووٹ بنک" جیسی منافقانہ ضرورت محسوس ہوتی تو شاید میں یہ قدم نہ اٹھاتا۔

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جو مخصوص لابی میرے سیاسی کیریر کے خاتمہ کی بات کررہی ہے انہی لوگوں پر مشتمل ہے جو کل تک میرے سیاست میں آنے کے خطرے کی نشاندہی اور پیش گوئی کررہے تھے۔

جہاں تک تعلق ہے کچھ سیاستدانوں، ان کے چمچوں، کچھ پالتو صحافیوں اور سادہ لوح لوگوں کا جو میرے خلاف یکطرفہ جنگ میں مصروف و مشغول ہیں تو ان کے لئے اتنا ہی کہوں گا کہ اگر اللہ انہیں توفیق دے تو "خود ساختہ سیاسی حریف" سے خوف زدہ ہوکر اس کی کردار کشی پر اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے اس ملک کے مظلوم عوام کی محرومیوں کے ازالے کے لئے کچھ کریں جو "براؤن صاحبان" اور ان کے پالتو ایجنٹوں کے ہاتھوں بدترین قسم کے ذہنی، فکری، معاشی، سماجی روحانی اور جذباتی استحصال کا شکار ہیں۔

اسلام قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جمیمہ ہر وقت نماز ہی پڑھتی رہے گی

لندن سے ڈیلی ٹیلیگراف کی نمائندہ کاساندرہ جار ڈائین کا اظہار خیال

برطانوی نژاد 21 سالہ دوشیزہ جمیمہ گولڈ اسمتھ اور پاکستانی "خدائی بلے باز" عمران خاں کی رشتہ ازدواج میں وابستگی کے متوقع نتائج سے متعلق ملک اور بیرون ملک مختلف پہلوؤں سے قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں اور طرح طرح کے خدشات کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ ایک عام خیال کے مطابق جمیمہ اب نہ تیراکی کا لباس پہن پائے گی، نہ اپنی مرضی سے باہر نکل سکے گی، نہ اس کے لئے گاڑی چلانا ممکن ہو گا اور نہ ہی شیمپین نوشی کا موقع مل سکے گا۔ ممکن ہے کہ جمیمہ اپنے شوہر کی بعض پرانی دوستوں کی طرف سے بھی کٹیلے فقرے سننے کی امید رکھتی ہو۔ کرسٹن بیکر انہی دوستوں میں سے ہے جس نے اس شادی کی تجویز پر اپنے ردعمل کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ "میں ہوتی تو اس شدت پسند اور بنیاد پرست معاشرے میں کبھی نہ رہ پاتی۔ مجھے اپنے بال چھپائے رکھنے پڑتے۔" یہ اپنی نوعیت کا تنہا منفی ردعمل نہیں ہے بلکہ بیکر کی ہم نواؤں کی تعداد خاصی ہے۔



ایما سرجنٹ جس نے کئی سال پہلے عمران خاں سے شادی کی تجویز مسترد کر دی تھی، خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ اچھا ہوا کہ وہ ایک سفید و سیاہ معاشرے کا حصہ بننے سے محفوظ رہی جہاں ذرا سی لغزش پر بھی قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ عمران کی ایک اور پرانی دوست نے "ڈیر جمیمہ" کے عنوان سے اخبار میں ایک خط شائع کرا کے اسے دائمی طور پر پردے کی زندگی سے خبردار کیا۔

صحافت کے میدان میں قدم رکھنے، اپنے شوہر کے ہمراہ رفاہی اور سیاسی کاموں میں شریک رہنے کی خواہش مند جمیمہ کو ہر شخص کی طرف سے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ گھٹے ہوئے مسلم معاشرے میں وہ زندہ درگور ہونے کی تیاری کر رہی ہے جہاں پہلے سے اجازت لئے بغیر گھر کی چہار دیواری سے باہر قدم رکھنے کا موقع مل جانا بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ مسلمان مردوں سے شادی کر کے جن عورتوں نے تلخ تجربات اٹھائے ہیں وہ اس رشتے کے خطرات سے جمیمہ کو آگاہ کرنے میں کچھ زیادہ ہی آگے ہیں۔ ان مسلم گزیدہ خواتین کے خیالات پڑھ کر وہ غریب نتیجے پر پہنچ سکتی ہے کہ اسے پانچ وقت جانماز ڈھونا ہے چائے کے علاوہ کچھ اور پینا نہیں ہے۔ شوہر کے خاندان کے ساتھ غلاموں کی طرح بندھ کر رہنا اور ان کی گھورتی ہوئی نگاہوں کو برداشت کرنا ہے اور اٹھتے بیٹھتے ان کی نصیحتوں کو بھی زیر بار کرنا ہے۔ اور اس پر بھی وہ کہی جائے گی باہر والی ہی۔

ایک صاحبہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جمیمہ تہذیبی ناہمواری کی خندق میں کود کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے جا رہی ہے۔

مغربی ردعمل کی شدت پر اگر یقین کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ابھی تک ہونے والی مخلوط شادیوں میں سب کو ناکامی کا ہی منہ دیکھنا پڑا ہے۔ یہ درست ہے کہ آغا خاں اور سیلی کروکرپول کے درمیان ابھی طلاق ہوئی ہے لیکن کامیاب مخلوط شادیوں کی قابل ذکر مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثال کے طور پر اردن کی

اسے پانچ وقت جانماز ڈھونا ہے، چائے کے علاوہ کچھ اور پینا نہیں ہے، شوہر کے خاندان کے ساتھ غلاموں کی طرح بندھ کر رہنا اور ان کی گھورتی ہوئی نگاہوں کو برداشت کرنا ہے اور اٹھتے بیٹھتے ان کی نصیحتوں کو بھی زیر بار کرنا ہے۔

ملکہ نور کو اپنی نئی زندگی کی صرف دو باتیں قدرے ناگوار گزری تھیں ایک تو مستقل دھوپ اور بکنی پہننے کا موقع نہ ملنا۔

ان قیاس آرائیوں کا اثر جمیمہ پر خواہ کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ مہذب پاکستانی خواتین اور اعلیٰ طبقے کے پاکستانی مردوں کی بیویوں کو اس انداز فکر نے متحیر کیا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ اس رجحان کے پیچھے نسل پرستی کارفرما ہے یا جہالت یا اسے سیدھے ایک حسین و جمیل لڑکی سے حسد کا نام دیا جائے جس پر ایک ہونہار کنوارے کی نگاہ انتخاب پڑی ہے۔ اس ضمن میں لندن میں مقیم پاکستانی ادیبہ رخسانہ احمد کے خیالات پیش کئے جاسکتے ہیں جو ہر سال اپنے وطن کا سفر کرتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ پاکستان کو سعودی عرب نہیں سمجھنا چاہئے۔ پاکستان کا متمول طبقہ اسی طرح کی زندگی گزارتا ہے جیسی دنیا کے کسی اور خطے کے متمول افراد۔ وہ باہر بھی نکلتے ہیں، شراب نوشی بھی کرتے ہیں اور ان میں سے بعض ادھرادھر شب باشی بھی کرتے ہیں۔ جمیمہ غالباً انہی افراد کی طرح ہوگی جنہیں گرمی برداشت نہ کرسکنے اور باہر جاکر وقت گزاری کی بناء پر لوگ "سرمائی پاکستانی" کہا کرتے تھے۔ پردے کے سوال پر رخسانہ احمد نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ پاکستان میں عورتیں اعلیٰ حیثیت اور عہدے پر فائز ہیں مثلاً رضیہ بھٹی جو لاہور کے ایک میگزین "نیوز لائن" کی ایڈیٹر ہیں، سلیمہ ہاشمی نیشنل کالج آف فائن آرٹس کی پرنسپل ہیں۔ اس وقت کئی خواتین وزارت کے منصب پر فائز ہیں اور تین سفارتی خدمات سے وابستہ ہیں ان میں ملیحہ لودھی واشنگٹن میں تعینات ہیں۔ پاکستانی خواتین علمی اور تہذیبی زندگی میں بھی نمایاں کردار ادا کررہی ہیں۔ کراچی یونیورسٹی میں زیر تعلیم افراد میں لڑکیوں اور عورتوں کا تناسب زیادہ ہے۔ رخسانہ احمد کے خیالات کی تائید لاہور میں مقیم مغربی خواتین نے بھی کی ہے۔ دو بچوں کی ماں کسنڈرا بالچن جن کے شوہر اقتصادیات کے پروفیسر ہیں لاہور میں بارہ سال سے مقیم ہیں۔ خاندان کا خرچہ وہ خود چلاتی ہیں اور پروفیسر موصوف "شوہر خانہ" کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔

کسنڈرا کا مشورہ ہے کہ جمیمہ کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ اس کے کسی طرز عمل سے لوگوں کو حیرت و پریشانی ہوگی۔ اپنے تجربات کی تفصیل بتاتے ہوئے وہ کہتی ہیں کہ کئی سال تک وہ موٹر سائیکل چلاتی رہیں اور کسی نے کچھ نہ کہا۔ انہوں نے مزید بتایا کہ وہ چھوٹے اسکرٹ نہیں پہنتیں کیونکہ اس میں انہیں زحمت ہوتی ہے لیکن دوسری عورتیں پہنتی ہیں۔ وہ شراب پیتی ہیں اور ان کی طرح لاہور کی ایک تہائی آبادی شراب نوشی کرتی ہے۔ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ الگ تھلگ بیٹھ کر عورتوں سے بچوں کے مسائل پر گفتگو کریں اور مرد اپنے ساتھیوں میں بیٹھا سیاست پر محو گفتگو ہو۔ کسنڈرا نے جمیمہ کی منگنی سے متعلق منفی ردعمل کے تحت ملائیت اور فرسودگی کے حوالوں کو پاکستان کی روزمرہ زندگی کے برعکس قرار دیا ہے۔

پٹھان نسل جس سے عمران خاں کا تعلق ہے بعض دیگر نسلوں کے مقابلے میں زیادہ قدامت پسند ہے لیکن ان کا موجودہ خاندان خاصا آزاد خیال واقع ہوا ہے۔ ان کی بہنیں غیر ممالک میں مقیم اور کام کرتی ہیں۔ اس لئے بیشتر مبصرین کا خیال ہے کہ بچوں کی پرورش اور مرد کی تکمیلیت پر مبنی عورتوں کے کردار کے بارے میں عمران خاں کے حالیہ بیان کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی شریک حیات

جمیمہ غالباً انہیں افراد کی طرح ہوگی جنہیں گرمی برداشت نہ کرسکنے اور باہر جاکر وقت گزاری کی بناء پر لوگ "سرمائی پاکستانی" کہا کرتے تھے۔

سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمہ وقت ان کا سایہ بنی رہے۔ ان مبصروں نے ایسے قیاسات کی بھی تردید کی ہے کہ جمیمہ کا قبول اسلام اس سے وقف عبادت ہوجانے کا متقاضی۔ سیلیا مفتی جو برطانوی معلم ہیں 21 سال کی عمر میں ایک معزز پاکستانی شہری سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئی تھیں وہ جمیمہ کی طرف سے چنداں فکرمند نہیں ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عمران چونکہ حد درجہ سوشل ہیں اس لئے جمیمہ کو آئے دن پارٹیوں میں شریک ہونے کا موقع ملے گا۔ سیلیا اپنی ازدواجی زندگی کے 25 سال خوش و خرم رہ کر گزار چکی ہیں۔ پاکستان آنے پر انہوں نے چند کام خاص عقل مندی کے کئے تھے۔ ایک تو انہوں نے اردو سیکھنا شروع کیا تاکہ اپنی ساس سے بات چیت، معاشرتی آداب سیکھ سکیں۔ بچپن میں وہ سوڈان میں رہ چکی تھیں اور اب ایک غیر مانوس معاشرے میں رہنا

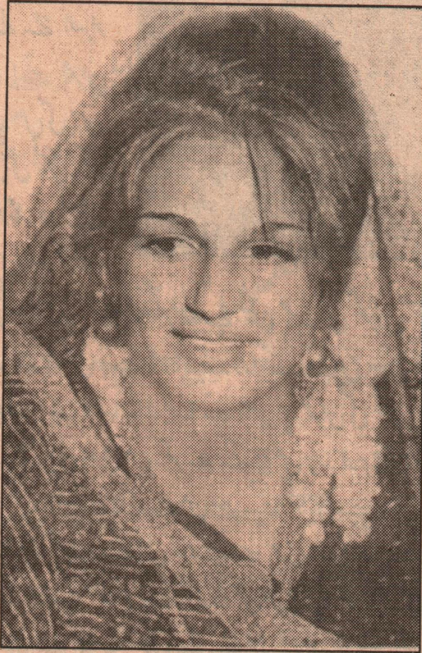
جمیمہ تہذیبی ناہمواری کی خندق میں کود کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے جا رہی ہے۔

ان کے لئے کچھ زیادہ عجیب اور دشوار نہیں لگ رہا تھا۔ سیلیا کے شوہر نے جو مشہور وکیل ہیں بتایا کہ ابتدائی تین سالوں میں کچھ دقت ضرور پیش آئی ہے۔ اہم بات یہ سیکھنا ہے کہ لوگوں کے درمیان غیر ملکی دلہن کا طرز عمل کیسا ہوتا ہے۔ سیلیا کو اعتراف ہے کہ بعض دفعہ سائیکل چلانے کے لئے باہر نکلنے کی اسے خواہش ہوئی تھی لیکن انہیں اس کا احساس بھی ہے کہ اس وقت ان پر لگائی جانے والی پابندیاں بد خواہی نہیں بلکہ تعلق کی بناء پر تھیں کیونکہ انہیں اطراف و جوانب کا کچھ اندازہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے بازار جاتے وقت ان کی نند ان کے ہمراہ رہتی تھیں اور پھر نئی دلہن کے قریب لوگ ذرا زیادہ ہی رہنے کے مشتاق ہوتے ہیں جسے بعض خواتین مداخلت بیجا سمجھ بیٹھتی ہیں۔ یہ سیلیا کی خوش خلقی اور گھریلو تربیت کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے شوہر کے عزیزوں کا اسے گھیرے رہنا فرط محبت اور اظہار تعلق کے ایک انداز سے تعبیر کیا۔ ایک اور مثال والیری کول کی ہے جو لاہور میں موسیقی کی معلمہ ہیں۔ پہلے تو انہیں وہاں کے معاشرے سے ہم آہنگی میں پریشانی ضرور ہوتی تھی۔ لباس اور ملاقاتیوں کے انتخاب میں ساس کی پسند و ناپسند ان کے لئے کسی قدر ناگواری کا باعث تھی اور سب سے زیادہ خجالت اس وقت ہوتی تھی کہ جب گھر میں آئی ہوئی عورتیں ان کے بارے میں اپنی زبان میں گفتگو کر رہی ہوں خواہ ان کی تعریف میں ہی ہو۔

غرضیکہ اس جائزے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دو مختلف ممالک اور تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے ازدواجی فریقین کے درمیان ہم آہنگی کا مسئلہ معاشرتی سے زیادہ ذاتی نوعیت کا ہے۔ لندن اور لاہور میں مقیم پاکستانی بیویوں میں اس بات پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ اس شادی کی کامیابی کا انحصار پاکستان کے سماجی حالات سے زیادہ جمیمہ اور عمران خاں کے انفرادی طرز عمل پر ہے۔ اس میں کامیابی اور ناکامی دونوں ہی مراحل آتے ہیں تاہم موجودہ صورت میں کچھ زیادہ ہی محنت کرنی پڑے گی۔ بہرکیف زیادہ امکان یہی ہے کہ جمیمہ اور عمران کا یہ بندھن ناصحوں کے بدخواہانہ خدشات کا شکار نہیں ہوگا۔

کیا جمیمہ پاکستانی کلچر اختیار کر سکے گی؟

لندن سے ہیلینا اسپنسر



اس نے ممکن ہے (کرکٹ کی زبان میں) صدی کا بہترین کیچ لیا ہو لیکن کیا جمیمہ واقعی خود کو اپنے پسندیدہ رول کے مطابق ڈھال سکے گی یعنی ایک اچھی مسلمان بیوی کی طرح زندگی گزار سکے گی۔ ایک بار جب شادی کا جوش و خروش ختم ہو جائے گا، اور جمیمہ پاکستان کے تیسرے شہر (لاہور) کے پرسکون مضافات میں رہنے لگے گی تو ایک خوش مزاج اور ہنس مکھ لڑکی کے لئے پاکستانی زندگی کی پابندیوں کو اختیار کرنا مشکل ہوگا۔

اب اس کے لئے دوستوں کے ساتھ لنچ کے وقت عاجلانہ جام نوشی کے لئے باہر جانا ممکن نہ ہوگا۔ اور نہ ہی فیشن کی دکانوں پر اس طرح شاپنگ کر سکے گی۔ شراب پاکستان میں ممنوع ہے اور جمیمہ بلاشبہ شلوار قمیص زیب تن کرے گی تاکہ خود کو مردوں کی گھورتی آنکھوں سے بچا سکے۔ شاید شروع میں اسے عمران کے رشتہ داروں کے ساتھ خاندانی گھر میں رہنا پڑے۔ اس کے دوستوں کا حلقہ بہت مختصر ہوگا اور ایک ایسی لڑکی کی حیثیت سے جس نے یہودیت ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے وہ لوگوں کی توجہ اور سوالیہ نگاہوں کا مرکز ہوگی۔

عمران مغرب پسند ہو سکتا ہے مگر وہ سب سے پہلے اور بنیادی طور سے ایک پاکستانی ہے۔ اور پاکستانی مرد اپنی بیویوں کو "خاکسار" دیکھنا چاہتے ہیں۔ عمران ایک ایسی ذہین لڑکی ضرور چاہتا ہے جس سے بات کر سکے لیکن جب وہ عوام کے درمیان ہوں گے تو مضبوط ارادوں والی جمیمہ کو عمران کے مقابلہ میں پیچھے رہنا پڑے گا۔

عمران ایک سنجیدہ آدمی ہے اور عمر بڑھنے کے ساتھ زندگی کے مفہوم کی

تلاش میں ہے۔ اس کا طرز زندگی سادہ ہے اور وہ دعوی کرتا ہے کہ کرکٹر کی حیثیت سے تیز طرار زندگی اس نے کبھی پسند نہ کی تھی۔ اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ ایک ایسی لڑکی جو عمران کی نصف عمر کی ہے کیا وہ اپنے فطری جوش و خروش کو دبا سکے گی اور اپنے شوہر کا ساتھ دے سکے گی خصوصا اس وقت جب وہ اسلام کے اسرار و رموز پانے کی کوشش کرے گا۔

جمیمہ کو پاکستان میں عمران کی بھاری بھرکم شخصیت اور حیثیت سے بھی نبٹنا پڑے گا۔ وہ لاہور میں اپنے پرستاروں کے ہجوم میں گھر جانے کے اندیشے کے بغیر سڑکوں پر آسانی سے گھوم پھر نہیں سکتا۔ شروع کے چند مہینوں میں یہ اچھا لگ سکتا ہے لیکن بہت جلد جمیمہ ایسی خوش آمد اور اسلامی طرز زندگی سے بور ہو جائے گی۔

زماں پارک میں عمران کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا آسان نہ ہو گا جب تک جمیمہ ایک نئے گھر کے لئے اصرار نہیں کرتی اسے عمران کے والد اور اس کی بہن رانی اور اس کی فیملی کے ساتھ رہنا ہو گا۔ وہ تعیش کی زندگی نہیں بسر کر سکے گی۔ پاکستانی معیار سے عمران کا گھر بڑا ہے لیکن جمیمہ جن گھروں میں پلی بڑھی ہے ان کے مقابلے میں بہت چھوٹا ہے۔ ڈرائنگ روم میں بہت مختصر سا فرنیچر ہے ایک طرف ایک بڑا سا سائڈ بورڈ ہے جس پر عمران کی تصویریں ہیں۔ کچھ ٹرافیاں بھی وہیں پڑی ہوئی ہیں۔ کمرے کے بیچ میں چند آرم چیئر ہیں اور کونے میں ایک بڑا ٹیلی وژن ہے جو کمرے میں سب سے نمایاں ہے۔

جمیمہ ہمیشہ عمران کے اہل خاندان سے گھری ہوئی ہو گی۔ وہ اسے ایک مسلم بیوی کے آداب سکھائیں گے تاکہ وہ کسی طرح اپنے شوہر کو کبھی مشکل میں نہ ڈالے۔ عمران کے کینسر اسپتال کے لئے فنڈ جمع کرنے کے لئے منعقد کئے جانے والے ڈنرز میں وہ ایک خوبصورت زیور کی طرح سجائی ضرور جائے گی لیکن وہ محفوظ کی گئی مگر ذہین خواتین سے، جو اب اس کے ساتھ رہیں گی، کتنا گھل مل سکے گی یہ کہنا مشکل ہے۔

عمران کی شہرہ آفاق حیثیت کا مطلب ہے کہ اس کی سماجی زندگی ایک مختصر حلقے تک محدود ہے۔ یہ سب لوگ انگریزی بولتے ہیں اس لئے شروع میں جمیمہ کو اردو سیکھنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ لیکن نوکروں سے گفتگو کے لئے اسے یہ زبان سیکھنی ہی پڑے گی۔

پاکستانی خواتین محتاط، دور اندیش اور قربانی دینے والی ہوتی ہیں۔ عمران کے دوست بہت پڑھے لکھے ہیں اور اکثر یورپ کا سفر کرتے ہیں لیکن ان تعلیم یافتہ گھروں میں بھی بسا اوقات عورتوں کو ایک کونے میں کر دیا جاتا ہے جہاں وہ کپڑوں اور زیورات کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں جب کہ مرد تجارتی معاملات پر بحث کرتے ہیں۔

جب بیرون ملک سے عمران کے دوست آتے ہیں تو وہ انہیں شہر سے باہر لے جاتا ہے جہاں کشادہ، جاذب نظر عمارتیں موجود ہیں جنہیں دور استعمار میں تعمیر کیا گیا تھا۔ مقصد زائرین کو پاکستان کے خوبصورت مناظر دکھانا ہوتا ہے۔


پاکستانی کلچر

عمران سالٹ رینج کے جنگلوں میں شکار کرنا پسند کرتا ہے جہاں وہ ایک چرواہے اور اس کی بیوی کے ساتھ کچھ وقت گزار کر زندگی کے امور پر غور و فکر کرتا ہے۔ آج کل وہ مغربی طرز کے لباسوں کی کم ہی پروا کرتا ہے اور اس کی بہ نسبت ہر وقت شلوار قمیص زیب تن کئے رہتا ہے۔ وہ اکثر ایک اون کی ویسٹ کوٹ کے علاوہ سرحد کی چوڑی چپٹی ٹوپی بھی پہنے رہتا ہے جو بالکل بھی جاذب نظر نہیں ہوتی۔

اگرچہ اس کی لندن میں ایک پلے بوائے کی امیج تھی لیکن لاہور میں وہ ایک پرسکون زندگی بسر کرتا ہے۔ ابھی کچھ پہلے تک اس کا سارا وقت اپنی ماں کی یاد میں ایک کینسر اسپتال بنانے پر صرف ہوتا تھا جن کا 1987ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اب وہ ملک کے تعلیمی نظام کو درست کرنے کے لئے مہم چلانے کی بات کر رہا ہے۔ اگرچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ سیاست میں حصہ لینے کی تیاری کر رہا ہے لیکن وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ تاہم بعض لوگ اب بھی یہی کہتے ہیں کہ ایک امیر، خوبصورت لڑکی سے شادی کا مقصد بھی یہی ہے کہ عمران اب ایک سیاسی کیریر شروع کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں جمیمہ پر یہ انکشاف ہو گا کہ اسے عمران کے نظر فریب اور جاذب نظر ساتھی کا رول ادا کرنا ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو اسے اپنی مرضی کے مطابق یورپ آنے جانے کا موقع ملتا رہے گا اور اسی ایک طریقے سے وہ پاکستان جیسے ملک میں رہنے کے مسائل سے نبرد آزما ہو سکے گی۔

جلدی کیجئے! سوچنے کا وقت نہیں!!

ہفت روزہ ملی ٹائمز انٹر نیشنل کے خریدار بنئے

☆ آپ ملی ٹائمز انٹر نیشنل کے قاری بن کر ان چالیس ملین باخبر لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جو ہر لمحہ دنیا کی رفتار پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔

☆ آپ اس کے خریدار بن کر بہت سے اخبارات خریدنے ریڈیو سننے اور ٹیلی ویژن دیکھنے کی زحمت سے بچ جاتے ہیں، اس لئے کہ یہاں آپ کو ساری خبریں یکجا مل جاتی ہیں۔

☆ ملی ٹائمز آپ کو عالمی مسلم برادری کے حالات سے باخبر رکھتا ہے۔ یہ بھی بتاتا ہے کہ دنیا بھر میں غلبہ اسلام کے آرزومندوں پر کیا گذر رہی ہے۔ دنیا کے کس حصے میں مسلم انقلابیوں کو کامیابی مل رہی ہے اور کہاں انہیں شدید مزاحمتوں کا سامنا ہے۔

☆ فدائین اسلام کے حالات سے براہ راست واقفیت آپ کو بھی اس مشن میں شامل ہونے پر آمادہ کرتی ہے اور اس طرح آپ بھی ان خوش قسمت لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے لئے اللہ کے قرب کی خوش خبری ہے۔

☆ یہ اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ ہے جسے دنیا کے چار بر اعظموں میں پڑھا جاتا ہے اور جس کی باضابطہ ایجنسیاں بر صغیر ہند و پاک کے علاوہ مشرق وسطی، مغربی یورپ، اسکنڈے نیوین ممالک اور شمالی امریکہ کے اہم شہروں میں قائم ہیں۔

☆ امت کے ترجمان کی حیثیت سے ملی ٹائمز کا ہر شمارہ غلبہ اسلام کا منشور ہے۔ ہندوستان میں اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اس کا ہر شمارہ آناً فاناً اسٹال سے غائب ہو جاتا ہے۔

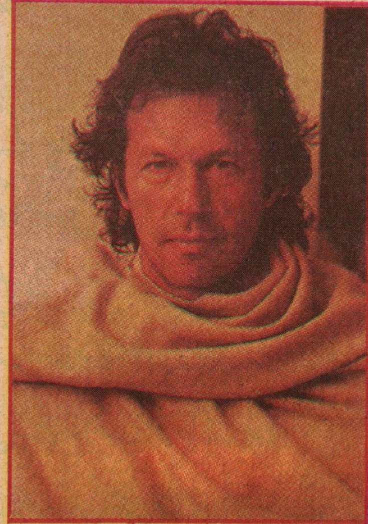
☆ ملی ٹائمز کے خریدار بن کر آپ غلبہ اسلام کے ان آرزومندوں میں شامل ہو جاتے ہیں جو دنیا بھر میں مختلف ناموں سے اسلام کی سربلندی کے لئے شب و روز سرگرم ہیں۔

قیمت فی شمارہ چار روپے۔ سالانہ زر تعاون ڈیڑھ سو روپے

Milli Times International, 49 Abul Fazal Enclave,
Jamia Nagar, New Delhi_110025 Tel. : 6827018

کوئی اسلام کی آفاقی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس دین فطرت کو قبول کرے تو میں اسے خوش دلی سے قبول کرنا سنت سمجھتا ہوں کہ نو مسلم تو ایک نوزائیدہ بچے کی طرح گناہوں سے پاک ہوتا ہے“

عمران خان





”اسلام قبول کرنے کا میرا فیصلہ پورے طور سے میری اپنی پسند کا نتیجہ ہے یہ بہت ہی سوچا سمجھا فیصلہ ہے جسے کسی بھی طرح عاجلانہ نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے اسلام بالکلیہ اپنے یقین و ایمان سے قبول کیا ہے“

حائقہ خان